کتاب و سنت اور اسلافِ اُمّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:10 Issue:8 August 2017

مدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

درسِ قرآن	قربانی پاکیزہ جذبات سے ہونی چاہیئے	مولانا عبدالقادر فرید قاسمی	۵
درسِ حدیث	دین وایمان کے شعبے اور اس کی شاخیں	مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ	۷
پیشِ گفتار	حضرت شیخ یونس رحمہ اللہ تعالیٰ	مدیر	۹
گوشۂ خواتین	اسلام کی باکمال خواتین	مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی	۱۷
آزادیٔ ہند	جنگِ آزادی میں علماء مدارس کا کردار	مولانا شوکت علی قاسمی بستوی	۲۰
لمحہ فکریہ	ہوس کی دھوم دھام ہے نگر نگر گلی گلی	مولانا محمد عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی	۲۸
"	انسانی دودھ بینکوں کا قیام مفید یا مضر؟	ڈاکٹر راحت مظاہری	۳۲
اصلاحِ معاشرہ	خودکشی اسباب وعلاج	مولانا محمد عبدالعلیم اطہر قاسمی	۳۶
افاداتِ اکابر	غصہ کا نقصان عظیم	مولانا سید بدر عالم مہاجر مدنیؒ	۳۹
نقوشِ رفتگاں	باتیں ان کی یاد رہیں گی	مولانا محمد عفان منصور پوری	۴۱
فقہ وفتاویٰ	قربانی سے متعلق چند مسائل	ادارہ	۴۸

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

درسِ قرآن

قربانی پاکیزہ جذبات سے ہونی چاہیے

مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۙ﴿۳۴﴾ (سورۃ الحج)

ترجمہ: اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی اس غرض کے لئے مقرر کی ہے کہ وہ ان مویشیوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے ہیں۔ لہٰذا تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے، چنانچہ تم اسی کی فرماں برداری کرو، اور خوشخبری سنا دو ان لوگوں کو جن کے دل اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔

تشریح: قربانی کا عبادت ہونا حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت سے چلا آرہا ہے، ہر امت کے لئے قربانی مقرر کی گئی تھی، حضرت آدمؑ کے بیٹے حضرت ہابیل نے ایک مینڈھا سب سے پہلے بارگاہ خدا میں پیش کیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں یوں ہے اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا اور ان کی قربانی کو اس شریعت کے دستور کے مطابق آسمانی آگ نے کھالیا تھا جو ان کی قربانی کی قبولیت کی ایک علامت تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جانور کو ذبح کرنے اور من جانب اللہ کرانے کے کیا اغراض ومقاصد اور حکمتیں ہیں، سب سے پہلا مقصد اللہ تعالیٰ کی کبریائی کو اپنے قول وعمل کے ذریعہ بجالانا، دوسرا مقصد حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ کے بے مثال تسلیم ورضا کے جذبہ کو یاد کرتے ہوئے اپنی ہمتوں اور حوصلوں کو اس دین پر چلنے کے لئے بلند رکھنا اور اپنی چاہتوں کو رب کی مرضیات کے تابع بنانا، تیسرا مقصد محض اللہ کے نام پر قربانی کے جانور کو ذبح کرنا، چوتھا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس بات پر شکر بجالانا کہ اس نے عظیم الجثہ جانوروں کو ہم کمزوروں کا تابع بنادیا ہے اور ان کو ہمارے لئے حلال قرار دیا ہے، پانچواں مقصد فقراء ومساکین کے لئے

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

گوشت کی فراہمی ہے، ایک اور حکمت یومِ نحر کی عظمت کا اظہار ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نحر کے دن ابن آدم کا کوئی عمل اہراقِ دم سے زیادہ عنداللہ محبوب نہیں، حضرت جابر بن عبداللہؓ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک عمل جو یومِ نحر سے متعلق ہے نقل کیا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھی، پھر جب نماز سے فارغ ہوکر پلٹے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک مینڈھا لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی (نفلی) قربانی دی۔

یہاں ایک بات ذہن نشین ہونا چاہیے کہ جن جن روایتوں میں یہ بات ملتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اور اپنی امت کی جانب سے ایک مینڈھا ذبح کیا تھا ان تمام روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ اس سے نفلی قربانی مراد ہے یعنی پوری امت کے موحد افراد کو اس کا ثواب مل جائے لیکن جہاں تک واجب قربانی کا معاملہ ہے تو چھوٹا جانور ایک فرد ہی کی طرف سے قربان ہوسکتا ہے، اور بڑے جانور میں سات شرکاء جمع ہوسکتے ہیں اس روایت کے تناظر میں جو امام مسلم کے نزدیک مسلّم اور صحیح ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ نے کہا امرنا رسول اللہ ﷺ ان نشترک فی الاضاحی، البدنۃ عن سبعۃ و البقرۃ عن سبعۃ (ابن کثیر)

رہ گئی یہ بات کہ کس جذبہ کے ساتھ قربانی ہو؟ تو وہ قرآن نے ہم کو سکھلایا ہے اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ قربانی سے نہ نام ونمود مقصود ہو نہ شہرت واشتہار بلکہ خالص رضاء الٰہی کے واسطے ہونا چاہئے کیوں کہ اس قربانی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بندوں کی قلبی کیفیات اور جذبات کو دیکھتے ہیں اگر جذبات پاکیزہ ہوں تو وہ قبول ہے ورنہ مردود ہے۔

عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر شہروں میں یہ منظر بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ کچھ شوخ مزاج لوگ ایسے جانوروں کی تلاش میں ہوتے ہیں جو سارے جانوروں سے جسامت، قدوقامت کے لحاظ سے ممتاز ہو، پھر اس کی بولی لگائی جاتی ہے اور اُسے گراں قیمت میں حاصل کیا جاتا ہے، اس کی تزئین کرکے محلوں میں گھُمایا پھرایا جاتا ہے، ہر ایک سے اس کی قیمت کا تذکرہ ہوتا ہے، دیکھنے والے واہ واہ کرتے ہیں، اور بعض احباب تو اس جانور کیلئے اسٹیج بھی تیار کرتے ہیں تاکہ لوگ نظارہ کریں اور اس کے خریدار کی تعریف بھی ہوتی رہے، اور بعد میں وہ جانور قربان کیا جائے؛ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس قسم کی قربانی کا مقصد فخر ومباہات تو ہوسکتا ہے لیکن رضائے الٰہی نہیں، رسمِ قربانی تو ادا ہوجاتی ہے لیکن مقصد قربانی (ترکِ خواہشات واحیائے جذبۂ تسلیم ورضا) بھی فوت ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر کام اس کی مرضیات کے مطابق کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

درسِ حدیث

دین وایمان کے شعبے اور اس کی شاخیں

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ: "الإيمانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً، أَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الإِيْمَانِ" متفق علیہ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''ایمان کے ستر سے بھی کچھ اوپر شاخیں ہیں، ان میں سب سے اعلیٰ وافضل تو ''لا الہ الا اللہ'' کا قائل ہونا یعنی توحید کی شہادت دینا اور اُن میں ادنیٰ درجے کی چیز اذیت اور تکلیف دینے والی چیزوں کا راستے سے ہٹانا ہے، اور حیا ایمان کی ایک اہم شاخ ہے۔

تشریح: اس حدیث میں ایمان کے شعبوں کے لئے ستر سے کچھ اوپر کا جو عدد استعمال کیا گیا ہے اس کے متعلق بعض شارحین نے لکھا کہ اس سے غالباً صرف کثرت مراد ہے، اور اہل عرب صرف مبالغہ اور کثرت کے لئے بھی ستر کا لفظ عام طور سے بولتے ہیں، اور ستر پر ''جو کچھ اور'' کا اضافہ ہے اس حدیث میں کیا گیا ہے، یہ غالباً اور زیادہ مبالغہ پیدا کرنے کے لئے ہے، لیکن بعض حضرات نے ''بضع و سبعون'' کے لفظ سے خاص عدد ستر بھی سمجھا ہے، اس بنیاد پر کہ لفظ بضع خاص سات کے عدد کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے پھر ان حضرات نے اپنے اس خیال کے مطابق ستر شعبوں کو متعین کرنے کی بھی کوشش کی ہے، لیکن ان میں غور کرنے کے بعد یہی رائے قائم ہوتی ہے کہ یہ محض تخمینے ہیں جن میں بہت کچھ ردوقدح کی گنجائش ہے، اس لئے راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء ''بضع و سبعون'' کے لفظ سے کوئی خاص عدد معین کرنا نہیں ہے، بلکہ محاورۂ عرب کے مطابق صرف کثرت اور بہتات مراد ہے، اور مطلب صرف یہ ہے کہ ایمان کے بہت زیادہ شعبے ہیں، اور ایک قرینہ اس کا یہ بھی ہے کہ اگر بضع و سبعون سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب کوئی متعین عدد ہوتا

تو پھر آپ اس ابہام و اجمال پر اکتفاء نہ فرماتے بلکہ ان کی تفصیل بھی فرماتے جیسا کہ موقع اور مقام کا تقاضا تھا۔

ایمان کے شعبوں سے مراد وہ تمام اعمال و اخلاق اور ظاہری و باطنی وہ سب احوال ہیں جو کسی دل میں ایمان کے آجانے کے بعد اس کے نتیجہ اور ثمرہ کے طور پر اس میں پیدا ہوجانا چاہئیں جیسے کہ سرسبز و شاداب درخت میں سے برگ و بار نکلتے ہیں، اِس طرح گویا تمام اعمالِ خیر و اخلاقِ حسنہ و احوالِ صالحہ ایمان کے شعبے ہیں، البتہ اُن کے درجے مختلف ہیں۔

اس حدیث میں ایمان کا سب سے اعلیٰ شعبہ ''لا الہ الا اللہ'' یعنی توحید کی شہادت کو بتلایا گیا ہے، اور اُس کے مقابلے میں ادنیٰ درجے کی چیز راستے سے تکلیف پہنچانے والی چیزوں کے ہٹانے کو قرار دیا گیا ہے، اب ان کے درمیان جس قدر بھی اُمورِ خیر کا تصور کیا جاسکتا ہے وہ سب ایمان کے شعبے اور اس کی شاخیں ہیں، خواہ ان کا تعلق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، اور ظاہر ہے کہ ان کا عدد سیکڑوں تک پہنچے گا۔

حدیث کے آخر میں حیا کے متعلق جو خصوصیت سے یہ فرمایا گیا ہے کہ ''وہ ایمان کا ایک اہم شعبہ ہے'' تو اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ جس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا، اُس وقت کسی سے حیا میں کوئی کوتاہی ظاہر ہوئی تھی اُس کی اصلاح کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خصوصی انتباہ فرمایا جیسا کہ صاحبِ حکمت معلمین و مصلحین کا طریقہ ہوتا ہے، یا حیا کے متعلق خصوصیت سے یہ تنبیہ اس لئے فرمائی گئی کہ انسانی اخلاق میں حیا کا مقام نہایت بلند ہے اور حیا ہی وہ خصلت ہے جو آدمی کو بہت سے معاصی اور بہت سی بُرائیوں سے روکتی ہے، اور اس وجہ سے ایمان اور حیا کے درمیان ایک خاص رشتہ ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ حیا صرف اپنے ہم جنسوں ہی سے نہیں کی جاتی، بلکہ سب سے زیادہ جس کی حیا ہم کو ہونی چاہیئے وہ ہمارا خالق و پروردگار حق تعالیٰ ہے عام لوگ بڑے بے حیا اور بے ادب اس کو سمجھتے ہیں جو اپنے بڑوں کا پاس و لحاظ نہ کرے، اور اُن کے سامنے بے حیائی کے کام اور بُری باتیں کرے، لیکن فی الحقیقت سب سے بڑا بے حیا وہ بدبخت انسان ہے جو اپنے مولا سے نہیں شرماتا اور یہ جاننے کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت مجھے اور میرے فعلوں کو بے حجاب دیکھتا ہے اور میری باتوں کو بلا واسطہ سنتا ہے اُس کے سامنے وہ بُرے کام اور ناروا حرکتیں کرتا ہے۔

پس اگر آدمی میں حیا کا خُلق پوری طرح بیدار اور کارفرما ہو تو نہ صرف یہ کہ اس کے ہم جنسوں کی نظروں میں اس کی زندگی پاکیزہ اور سُتھری ہوگی، بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی معصیات کا صدور بھی بہت کم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ حیا کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

پیش گفتار

حضرت شیخ یونس رحمہ اللہ تعالیٰ

از: مدیر

اس عاجز نے نہ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی ہے نہ مظاہر علوم سہارن پور میں پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، البتہ ان مدارس اور وہاں کے اکابر و مشائخ کے بارے میں بچپن ہی سے سنتا جانتا رہا، پہلی دفعہ ان مبارک مقامات کی زیارت کا موقعہ اس وقت ملا جب دیوبند میں دارالعلوم کا اجلاسِ صد سالہ منعقد ہوا تھا؛ اس اجلاس میں شرکت کی تمنا بھی دراصل اکابر کے تاریخی مقامات کی زیارت اور شخصیات سے ملاقات کے لئے ہی ہوئی تھی، چناں چہ حیدرآباد سے براہِ دہلی ایسے وقت دیوبند پہونچا جب اس عظیم الشان اجلاس سے مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاںؒ خطاب فرمارہے تھے، ان کی اردو میں کی گئی تقریر اور اردو کے معاً بعد عرب مہمانوں کی خواہش پر عربی میں سُنی[1]؛ دارالعلوم کی عمارات تو اس بھیڑ بھاڑ میں کیا دیکھ پاتا صرف دارالحدیث کی زیارت کر کے سہارن پور روانہ ہوگیا، یہاں برادرِ معظم حضرت مفتی محمد عبدالمغنی صاحب مدظلہٗ زیر تعلیم تھے، شب یہیں گذاری اور صُبح کو اُن کے ہمراہ مختلف اکابر سے ملاقاتیں کیں، اس وقت تک مظاہر علوم منقسم نہیں ہوا تھا، اسی سلسلۂ ملاقات میں شیخ الحدیث حضرت مولانا یونس صاحب رحمہ اللہ سے بھی ملاقات ہوئی۔

---

[1] مفکر اسلامؒ کی یہ بہت مختصر جامع اور چبھی تُلی تقریر تھی، اگر میں اپنی یادداشت پر بھروسہ کر کے کہہ سکوں تو اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ”ہندوستان، ہندوستان بھی نہیں اس کے ایک صوبے اُتر پردیش، صوبہ بھی نہیں اس کے ایک ضلع سہارن پور، ضلع بھی نہیں اس کے ایک چھوٹے سے قصبے دیوبند میں بیٹھ کر ایک کمزور اور بوڑھے عالم دین کی دعوت پر جس کے پاس نہ کوئی ظاہری اسباب ہیں نہ قوت وحکومت آج سارا عالم اسلام اس قصبے میں کیسے جمع ہوگیا؟ یہ صرف تقوی اللہ، تعلق مع اللہ، اور نسبت مع اللہ کی برکت ہے“۔

شیخ کا نام پہلے سے سُنا ہوا تھا، کچھ مرتبہ ومقام سے بھی غائبانہ واقف تھا، اُس وقت وہ دارِقدیم کے ایک حجرہ میں چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے، چہرے کے سامنے تکیہ پر گلاب کے پھول رکھے ہوئے تھے، اور پورا حجرہ کتابوں سے بھرا ہوا تھا؛ بس دروازے میں کھڑے ہوکر چہرۂ مبارک دیکھتا رہا، حُسنِ ظاہر پرنورِ باطن بھی جھلک رہا تھا، علم کا رُعب بھی طاری تھا، دل بہت متأثر ومرعوب ہوا مگر اس رُعب کے باوجود بے انتہا کشش وجاذبیت محسوس ہوئی، بعد میں بھائی صاحب کے ساتھ ملاقات بھی ہوئی، دارالحدیث میں حدیث کا درس دیتے ہوئے بھی دیکھا؛ میری یہ پہلی ملاقات تھی اس عالمِ ربانی اور محدثِ زمانی سے، اور اس ملاقات نے ان کی عظمت کے ایسے نقوش دل پر ثبت کئے کہ تاہنوز دُھندلے نہ ہو پائے۔

دوسری ملاقات اُن سے حیدرآباد میں اس وقت ہوئی جب وہ دارالعلوم حیدرآباد میں ختم بخاری شریف کے لئے تشریف لائے تھے، یہ ملاقات بہت تفصیلی اور قریبی رہی، بھائی صاحب تو شاگرد تھے ہی مجھ پر بھی ان کی نسبت سے بہت شفقت فرمائی؛ اس سفر کی ابتداء میں اپنے مخصوص مزاج، شدتِ احساس اور غایتِ استغناء کی بناء خفا خفا سے ہی رہے، منتظمینِ سفر کی بعض بے اصولیوں پر بگڑ بھی گئے، ایک دفعہ فرمانے لگے کہ ''میں یہاں درس نہیں دوں گا، نلگنڈہ میں میرا ایک شاگرد رہتا ہے اس کے پاس چلا جاؤں گا''۔ پھر اپنے متعدد تلامذہ کو دیکھ کر خوش اور بحال ہو گئے، شاگردوں ہی کی ایک محفل میں فرمایا ''تمہارے ہاں فلاں عالم نے ایک مضمون لکھا ہے جس میں درسِ نظامی کے نصاب میں ترمیم کی سفارشیں کی ہیں کہ مثلاً کنز بہت مشکل کتاب ہے، طلبہ کی سہولت کے لئے اس کی جگہ دوسری کتاب تجویز ہونی چاہیئے وغیرہ، میں نے پورا مضمون پڑھا ہے میں نے سوچا کہ یہ کیا مشکل کتاب ہے؟ جو کتاب خود کو پڑھانی نہ آئی اس کو مشکل قرار دے کر اگر تبدیل کیا جاتا رہے تو یوں سارا نصاب ہی ختم ہو جائے گا''۔

دن میں گیارہ بجے شیخؒ درس کے لئے دارالعلوم کی وسیع مسجد میں تشریف لائے، عوام وعلماء کا بہت بڑا مجمع بے چین اور منتظرِ زیارت وسماعت تھا، عرب ممالک سے بھی مہمان آئے ہوئے تھے، مسندِ درس پر رونق افروز ہوئے اور خطبۂ مسنونہ کے بعد ارشاد فرمایا ''درس کے لئے تو صبح کا سہانا وقت نشاط کا ہوتا ہے، ۷/ بجے رکھنا چاہیئے تھا، کیا گیارہ بجے حیدرآباد والوں کے نشاط کا وقت ہوتا ہے، اب کیا درس دوں''؟ یہ فرمایا تو بڑی مایوسی ہوئی کہ کہیں غایتِ اختصار سے کام نہ لیں مگر رفتہ رفتہ انشراح ہوتا چلا گیا اور نہایت مفصل ومرتب اور عالمانہ ومحققانہ شان سے طویل خطاب فرمایا، عرب مہمان بھی اُن کے وفورِ علم اور استحضارِ لطائف ودقائق پر حیرت زدہ رہ گئے؛ درس کے اختتام پر بہت تپاک سے ملے۔

دوسرے روز اس عاجز کی خواہش اور بھائی صاحب کی سفارش پر نہ صرف ادارہ اشرف العلوم میں قدم رنجہ فرمایا، بلکہ مختصر خطاب بھی فرمایا، مدرسے میں داخل ہونے کے بعد میری درخواست پر تھوڑی دیر کے لئے دفتر میں تشریف فرما ہوئے، احقر کی نشست گاہ کو زینتِ جلوس بخشی، دفتر میں فون کے ساتھ انٹر کام سسٹم بھی رکھا ہوا تھا پوچھا کہ ''اتنے فون کا کیا ہوتا ہے؟'' وجہ بتائی گئی، اندازہ ہوا کہ کثرتِ اسباب سے توحش محسوس فرماتے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ کچھ نصیحت فرمادیں، فرمایا ''نصیحت کرنا نہ آئے تو کیا کروں؟ عرض کیا گیا ایک حدیث شریف ہی سنا دیجئے، فرمایا ''وہ بھی یاد نہ آئے تو کیا کروں؟ پھر فرمایا'' چلو ایک حدیث سنا دیتے ہیں'' یہ کہہ کر نیچے مسجد میں جانے کے لئے زینے سے اُتر رہے تھے، ریلنگ کا ایک حصہ ٹوٹ جانے کی وجہ سے حرکت کر رہا تھا، کسی شاگرد نے سہارا دینے کی کوشش کی تو فرمایا ''تیرے سہارے سے گرنے کا اس سے زیادہ خطرہ ہے'' خود ہی بہت احتیاط سے اُترے، مسجد میں طلبہ و اساتذہ جمع تھے؛ حدیث شریف ''خیر کم من تعلم القرآن و علمه'' پڑھ کر دس منٹ نہایت مؤثر بیان فرمایا؛ فجزاهم الله احسن الجزاء

واپسی حضرتؒ کی بنارس ہونی تھی مگر ٹکٹ حیدرآباد کے بجائے قاضی پیٹ جنکشن سے بنا ہوا تھا، اس لئے قاضی پیٹ تک بذریعہ کار سفر ہوا، اس سفر میں دیگر رفقاء کے ہمراہ احقر بھی شامل رہا، اسٹیشن جلدی پہونچ گئے تھے، اس لئے ویٹنگ روم میں کوئی ڈیڑھ دو گھنٹہ ٹھہرنا ہوا، بھائی صاحب گھر سے کھانا تیار کر کے لائے تھے، کھلانا چاہا تو ناشتہ دان میں رکھ دینے کے لئے فرمایا، اُبلے ہوئے انڈے نظر آئے تو دریافت کیا کہ اُبالنے سے قبل انڈوں کو دھو کر پاک کر لیا تھا یا ویسے ہی اُبالا تھا؟ اثبات میں جواب ملا تو ناشتے دان میں رکھنے کی اجازت دی،[1]

بھائی صاحب نے یہ انڈا اٹھا کر ان کے ناشتے دان میں رکھنا چاہا تو بہت خفگی کے ساتھ روک کر پوچھا کہ ''تیرے ہاتھ دُھلے ہوئے ہیں؟ میرا سارا کھانا خراب کر دیا'' پھر ہاتھ دھو کر آنے کا حکم دیا، اُن کے رفیقِ سفر کوئی مفتی کفایت اللہ صاحبؒ تھے، وہ نہایت بے تکلف تھے، شیخؒ بھی اُن کو برداشت کرتے رہتے تھے، موصوف پیشاب کے لئے گئے، آنے کے بعد صلاح دی کہ آپ بھی ضرورت سے فارغ ہولیں، شیخؒ بیت الخلاء میں تشریف لے گئے اور جلدی سے واپس آکر بہت غضبناک لہجے میں پوچھا ''تم مفتی ہو؟ اتنا اونچا بنا ہوا ہے اس کیسے پیشاب کیا، چھینٹے نہیں اُچھل گئے تمہارے اوپر؟ انہوں نے برجستہ جواب دیا: اتنا بے وقوف آدمی تھوڑا ہی ہوں، دوسری جانب کو پلٹ کر کیا ہوں، جدھر نالی بنی ہوئی ہے اُدھر گہرائی ہے، پھر حضرت بھی تشریف لے جا کر ضرورت سے فارغ ہو آئے، نماز عشاء یہیں باجماعت ادا کی گئی۔

[1] میں نے یہ احتیاط کبھی نہ دیکھی تھی، بات سمجھ میں بھی آئی کہ بسا اوقات انڈوں پر گندگی ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ اس سے پانی بھی گندا ہو جاتا ہے اور اسی گندے پانی میں اُبالا جاتا ہے کبھی انڈے کا چھلکا ٹوٹ کر یہ گندا پانی اس کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا فاروق صاحبؒ نے ـــــ جو دارالعلوم حیدرآباد کے ذمہ داروں کی جانب سے شیخ کے اس سفر میں اول تا آخر شریک تھے ـــــ نماز کے بعد میزبان کی جانب سے کچھ نذرانہ پیش کرنے کی درخواست کی یہ سنتے ہی اُن کی غیرتِ نفسی حمیتِ علمی اور شانِ استغناء جوش میں آگئی، بہت ہی غضب ناک ہوگئے اور سخت لب ولہجہ اختیار کرتے ہوئے فرمایا ''تمہیں اس کا خیال بھی کیسے ہوگیا؟ شرم نہیں آئی؟ ایک ہی تو کام زندگی میں کرتا ہوں حدیث پاک کی خدمت کا، اور اُسے بھی بیچ کر کھاؤں؟'' اور بھی چند جملے فرمائے، اسی کے ساتھ یہ محفل جو بے تکلف چل رہی تھی ایک دم سنجیدہ وخاموش ہوگئی؛ اتنے میں گاڑی اسٹیشن سے لگ گئی تو جلدی سے سب لوگ گاڑی کی طرف چل دیئے، فرسٹ کلاس میں ریزرویشن تھا، سامان منتقل کرنے کے بعد شیخؒ کا بستر لگایا گیا، بستر پر بیٹھتے ہی مولانا فاروقؒ کو یاد کیا اور سب ہی اصاغر کے سامنے نہایت لجاجت بھرے اور رقت انگیز انداز میں معذرت خواہی کی، آب دیدہ ہوکر فرمایا ''میں نے سختی اور بدتمیزی کا معاملہ کیا، بھائی! مجھے معاف کردو، اللہ کے واسطے معاف کردو، میں اللہ کو کیا منھ دکھاؤں گا''۔

عقیدت واحترام اور رُعب وداب کے اس بلند مرتبے سے جس کے آگے سب ہی چھوٹے لگ رہے تھے، نورِ تقویٰ اور تجلّیٔ قلب کے اس مقامِ تاباں سے جس کے سامنے سب ہی ماند پڑ گئے تھے، شیخ کی ندامت ومعذرت خواہی کا یہ منظر آج بھی جب یاد آتا ہے راقم سطور کا متکبر نفس پانی پانی ہوجاتا ہے، اس حقیقت پر یقین اور بڑھ جاتا ہے کہ ایک دن آنے والا ہے جب بندے کو اپنے مولیٰ کی عدالتِ عظمیٰ میں پیش ہونا ہے، جہاں ہر مغرور کا غرور ٹوٹے گا اور ہر متکبر کا سر جھکے گا اور انصاف کا بادشاہ پورے جاہ وجلال کے ساتھ اپنی مخلوق میں عدل وانصاف قائم کردے گا تب لَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ

اس سبق آموز ومؤثر رفاقتِ سفر کے بعد بھی وقتاً فوقتاً شیخؒ سے ملاقات کا موقعہ ملتا رہا مگر بہت مختصر وقت کے لئے ملتا تھا، کبھی مصافحے پر اکتفاء ہوا، کبھی تھوڑی دیر ساکت وصامت بیٹھے رہنے کا موقع ملا، کبھی کچھ نصیحت و موعظت کی باتیں بھی سُننے کو ملیں، کبھی ڈانٹ ڈپٹ بھی کھانی پڑی؛ قریب دنوں میں مظاہر کے اجلاسہائے شوریٰ میں شرکت کے بعد شیخ سے بھی ملاقات ہوتی رہی، تنہا تو مجھے کبھی ہمت نہ ہوئی، مخدومِ گرامی حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہ کے ہمراہ حاضر ہوجاتا اور دور ہی سے زیارت اور مصافحے پر اکتفاء کرلیتا تھا۔

آخری دفعہ جب ملاقات ہوئی وہ حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہٗ سے دیر تک گفتگو فرماتے رہے، ایک دوسرے کی صحت وسلامتی معلوم کرنے کے علاوہ دعاؤں کی درخواست بھی کی، شیخ نے ایک علمی کام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''مجھے کچھ آتا جاتا تو نہیں اِن بچوں کے اصرار پر کچھ تحقیقات اور معلومات محفوظ

کرادے رہا ہوں تا کہ وہ میرے ہی ساتھ نہ چلی جائیں، محفوظ ہو جائیں گی تو شائد کسی کے کام آجائیں''۔

القصہ! شیخ ؒ کے بارے میں چند سطور لکھنے کا داعیہ ہوا تو کوئی قریبی تعلق اور تلمذ کا شرف نہ ہونے کے باوجود مافی الذہن کو سپردِ قرطاس کرنے لگا، اسی دوران خیال آیا کہ میں نے سن ۲۰۰۴ میں سفر انگلینڈ کے دوران بھی شیخ کے ایک درسِ ختم مشکوٰۃ میں شرکت کی تھی اور سفرنامے میں اس سے متعلق کچھ باتیں محفوظ بھی کی تھیں، تلاش کرنے پر وہ مضمون مل گیا اس میں سے شیخ ؒ سے متعلق باتیں ذیل میں درج کر رہا ہوں، انشاء اللہ نفع کا سبب ہوگا:

یہ شعبان کا مہینہ ہے اور یہاں (برطانیہ) کے مدارس میں بھی تعلیمی سال شعبان ہی میں اختتام پذیر ہوتا ہے، جگہ جگہ ختم بخاری یا سالانہ جلسوں کی اطلاع ہے، معلوم ہوا کہ آج بعد نمازِ مغرب حضرت مولانا یونس صاحب مدظلہٗ العالی شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور ایک مدرسے میں مشکوٰۃ شریف کا آخری درس دیں گے، اس میں شرکت کی سعادت کو غنیمت سمجھتے ہوئے میزبان سے انتظام کرنے کی خواہش ظاہر کی، انہوں نے انتظام کر دیا، چنانچہ دو چار احباب کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ کر ''لان کیسٹر'' کے لیے روانہ ہوئے، ۴۵ منٹ کا سفر طئے کر کے لان کیسٹر پہونچے، جہاں لڑکیوں کی اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے ''جامعۃ الکوثر'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا ہے، وسیع وعریض چہار دیواری کے اندر بڑی بڑی عمارتوں پر مشتمل اس مدرسہ میں مسلمان لڑکیوں کی تعلیم اور قیام وطعام وغیرہ کا اچھا انتظام ہے۔ یہ عمارت دراصل ایک قدیم گورنمنٹ ہاسپٹل کی تھی جسے جامعہ کے منتظمین نے خرید لیا ہے اور اس کے ایک حصہ کو دارالاقامہ اور کسی کو درسگاہ اور کسی کو دفاتر، کسی کو اسٹاف کارٹرز اور کسی کو مسجد کے لیے مختص کر کے بقیہ جگہوں کو لان اور پارک سے سجا دیا ہے، یہ سب عمارتیں فاصلے فاصلے سے بنی ہوئی ہیں اور ان کے درمیان سڑکیں بھی ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہاں تین سو طالبات کی رہائش اور تعلیم کا نظم ہے، جس عمارت کو مسجد کے لئے مختص کیا گیا ہے اس کو مسجد کی شکل دینے اور آرائش وزیبائش کا کام زیر دوراں ہیں، اسی مسجد میں نمازِ مغرب باجماعت ادا کی گئی؛ اس پروگرام میں مردوں کی بھی اچھی خاصی تعداد جمع تھی جو زیادہ تر شیخ ؒ کے تلامذہ ودیگر اہل صلاح پر مشتمل تھی، تھوڑی دیر کے بعد شیخ وہیل چیر پر تشریف لائے اور بمشکل تمام مسند پر بٹھائے گئے، بیٹھتے ہی خطبہ پڑھا اور خطاب شروع فرمادیا، ان کے تلامذہ نے تپائیوں پر کتابیں رکھ کر درسگاہ کا سا ماحول بنا رکھا تھا، طالبات اور سامعات کا مجمع دوسری عمارت میں شریک درس تھا، مردانے میں مائیک کا صحیح انتظام نہ ہونے کی وجہ سے بہت غور سے سننا پڑا، شیخ ؒ نے حسبِ معمول سب سے پہلے حدیثِ مسلسل بالاولیت الراحمون یرحمھم الرحمن

ارحموا من فی الارض یرحکم من فی السماء کی تلاوت اوراجازت عطافرمائی۔اس کے بعد مسلسلات کی تعریف واہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:" پہلے لوگ ان فضیلتوں کے حصول کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دیتے تھے، لمبے لمبے سفر کرتے اور مجاہدے برداشت کرتے تھے، آپ لوگوں کو اس زمانے کے وسائل سہولت کی وجہ سے گھر بیٹھے یہ نعمت مل گئی اور اتنا بڑا اشرف بڑی آسانی سے حاصل ہوگیا۔"

طالبات کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:"علم حدیث بہت عالی علم ہے، توجہ، انہماک، پابندی اور فکر سے یہ علم حاصل ہوتا ہے اور تھوڑی سی بے توجہی بھی محرومی کا سبب بن جاتی ہے، بیماری البتہ عذر ہے کہ لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔"اس کے بعد چند توجہ دینے والے طلبہ کے اور چند لاپرواہ طلبہ کے واقعات اور ان کے انجام ذاتی تجربے کے حوالہ سے بیان فرمائے، جو افسوس ہے کہ اب مجھے یاد نہیں رہے۔

معلّمین کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:" اساتذہ کو چاہیئے کہ شفقت اور محنت سے پڑھائیں، طلبہ کی قدر کریں، ان کی ضرورتوں پر نظر رکھیں۔اس سلسلہ میں اپنی طالبِ علمی کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا: میں طالبِ علمی کے زمانہ میں بہت خستہ حال تھا، میرے پاس چپل بھی نہیں ہوتے تھے، بارش میں کیچڑ پیروں میں لگ جاتا تھا تو اگر پانی مل جاتا تو دھولیتا تھا، نہیں تو پیر سوکھنے کے بعد زمین پر رگڑ کر صاف کرلیتا تھا، سردیوں میں لحاف بھی نہیں ہوتا تھا، چارپائی کے نیچے لالٹین کی لَو تیز کرکے رکھ لیتا تھا جس سے کچھ گرمی حاصل ہوجاتی تھی، رات میں مولانا ــــــ حضرت مولانا اسعداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ــــــ آتے تو اسے بھی بجھادیتے تھے، اس لیے کہ مدرسہ کی لالٹین تھی اور شب کو جلانے کی کوئی ضرورت نہ تھی؛ آخر مولانا نے ہی جب حالات معلوم ہوئے تو انتظام کرکے ایک کمرہ میں میرے لیے جگہ نکلوائی، ایسے حالات میں ایک استاذ نے مجھے طعنہ دے دیا، میرا دل اچاٹ ہوگیا، مگر مولانا (اسعداللہؒ) نے پھر ایسی تسلی دی کہ دل بحال ہوگیا، بڑی ہمت آئی، واقعی! بزرگوں کی ایک نظر یا ایک بات بھی آدمی کی کایا پلٹ دینے کے لیے کافی ہوجاتی ہے، اہل اللہ کی باتوں میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔"

اہل اللہ کی قوتِ باطنی کا ذکر آگیا تو اس سلسلہ میں فرمایا: اس کو نسبت کی قوت کہئے یا تعلق مع اللہ کی تاثیر کہ بزرگوں کی زبان اور ان کی نظر میں بہت برکت ہوتی ہے، ہمارے ناظم صاحب (حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ) میں بھی یہ کمال پایا جاتا تھا، ایک مرتبہ میں تلاوت کررہا تھا مجھے طلب کروایا گیا، حاضر ہوا تو فرمایا" دعا جی لگاکر مانگنا چاہیئے" میں جاکر پھر پڑھنے میں مصروف ہوگیا تو پھر بُلوایا اور یہی فرمایا کہ" دعا جی

لگا کر مانگنا چاہیے'' پھر جا کر پڑھنے بیٹھا تو پھر یاد کیا گیا اور سہ بارہ یہی ارشاد فرمایا، اب میں کیا بتاؤں کہ اس وقت کیا کیفیت پیدا ہوئی تھی؟ میرا وجود ہی تھوڑی دیر کے لئے ختم ہو گیا تھا۔

''اسی طرح ہمارے ایک استاذ مولانا منظور صاحب تھے، ان کی آواز کم تھی، طلبہ درس میں شریک نہیں ہوتے تھے، ایک دفعہ فرمانے لگے کہ جو ہمارے درس میں شریک نہ ہوگا وہ پڑھانے کے کام کا نہ ہوگا، ہم لوگوں نے پوچھا کہ جو طلبہ پابندی کریں گے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ وہ بڑی بڑی کتابیں پڑھائینگے، چنانچہ میرا تجربہ ہے کہ جو طلبہ پابندی کرتے تھے ان میں سے ایک طالبِ علم بھی ایسا نہیں ہے جو جلالین سے کم تک کی کتابیں پڑھایا ہو۔''

اس کے بعد تعلیم وتعلّم کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا: ''اصل مقصود حصولِ علم کا رضائے الٰہی کی تحصیل ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں، جس نے اس نیت سے پڑھا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے یہ نیت نہیں کی وہ ناکام ہو گیا۔''

پسِ پردہ موجود طالبات کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''لڑکیاں اگر اپنی زندگی سنت کے مطابق گذاریں تو گھر جنت کا نمونہ بن جائے گا اور اگر علم کے غرور میں مبتلا ہو جائینگی تو زندگی جہنم کا نمونہ بن جائے گی؛ ایک عالمہ کے بارے میں مجھے معلوم ہوا کہ آج آٹھ بجے پکاتی تھی تو پھر کل آٹھ بجے پکاتی تھی، اور شوہر سے کہہ دیتی تھی کہ کیا کروں مجھے تعلیم وتبلیغ سے فرصت نہیں ملتی، بے چارہ اس کا شوہر شریف آدمی تھا، دونوں وقت باسی کھانا کھاتا تھا، میں نے مشورہ دیا کہ دوسرا نکاح کرلو یہ تکلیف کب تک اٹھاؤ گے۔''

''اس کے برخلاف شرافت وخدمت کا نمونہ دیکھئے! ہمارے ایک استاذ تھے، دین کے کاموں میں مشغول رہتے تھے، رات دس بجے گھر پہونچتے یا کسی وقت بھی پہونچتے ان کی اہلیہ فوراً اٹھ کر آٹا گوندتیں اور تازہ روٹی پکا کر کھلاتی تھیں، ہر مرتبہ تازہ کھلاتی تھیں، اخیر میں بیمار ہو کر چارپائی پر پڑ گئی تھیں، پھر انتقال بھی کر گئیں؛ طلبہ استاذ کے پاس تعزیت کے لیے گئے تو باتوں باتوں میں یہ بھی کہہ دیا کہ ''آخر میں پڑ ہی گئی تھیں'' انہوں نے بڑے درد بھرے لہجے میں فرمایا ''پڑی تو رہتی تھیں'' اس جملہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کی نظر میں بیوی کی کتنی قدر ہو گئی تھی؛ پس اگر عورت میں اطاعت وخدمت کا جذبہ ہوگا تو خاوند قدر کرے گا، اس لئے لڑکیوں سے کہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں صحابیات کا اسوہ اختیار کرو۔''

ذمہ دارانِ مدرسہ کو توجہ دلاتے ہوئے فرمایا: ''لڑکیوں کے مدارس میں اُن کو اسوۂ صحابیات سے روشناس کرانے اور اس اُسوہ کے مطابق اعمال واخلاق کی تربیت کرنے کا اہتمام ہونا چاہیے، اس کا بہت نفع ہوگا۔''

اس کے بعد شیخ ؒ کی طبیعت بگڑنے لگی، مزید کچھ کہنے سے معذرت کرتے ہوئے دعا فرمائی اور رخصت ہو گئے۔ ہم لوگوں نے یہیں نمازِ عشاء پڑھی اور مہمانوں کے لیے تیار کئے گئے عشائیہ میں شرکت کر کے بولٹن واپس ہو گئے۔ یہ عاجز محسوس کرتا ہے کہ اس پورے سفر کے سب سے قیمتی لمحات یہی چند تھے جس میں توفیقِ الٰہی سے ایک متبحر عالمِ دین، محدث العصر اور صاحبِ نسبت بزرگ کے ساتھ مجالست کا موقع نصیب ہوا، اور دل ودماغ دونوں نے قوت پائی۔ والحمد اللہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ شیخ ؒ کی ہر طرح مغفرت فرما کر اُن کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے ان کے آثارِ علمیہ اور کثیر تلامذہ کو اُن کے لئے صدقۂ جاریہ الی یوم القیٰمۃ فرمائے۔ آمین وصلی اللہ علی النبی الکریم

نوعمر چچازاد بھائی کے لئے چھ اہم ہدایات

آج نوعمر صحابی اور آپ کے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباس ؓ رحمت عالم ﷺ کے پیچھے سواری پر سوار ہو کر ایک جگہ جا رہے تھے، آپ ﷺ نے ان کو آواز دی اور یوں ارشاد فرمایا:

اے لڑکے! میں تمہیں چند باتیں بتاتا ہوں اُنھیں یاد رکھنا!

۱) تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرنا وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔

۲) اللہ تعالیٰ کے حقوق کا خیال رکھنا، اللہ کو تم اپنی مدد کے لئے ہمیشہ حاضر پاؤ گے۔

۳) جب کسی چیز کی ضرورت ہو تو صرف اللہ ہی سے طلب کرنا۔

۴) اس بات پر کامل یقین رکھنا کہ تقدیر میں لکھے سے زیادہ پوری انسانیت مل کر بھی تمہیں فائدہ نہیں پہونچا سکتی۔

۵) اس بات پر یقین رکھنا کہ پوری دنیا مل کر بھی تمہیں تقدیر میں لکھے سے زیادہ نقصان نہیں پہونچا سکتی۔

۶) تقدیر میں اب اضافہ نہیں ہوسکتا، قلم اُٹھا لئے گئے، اور کاغذ کی سیاہی خشک ہو چکی ہے۔

(مجالس نبوی ص:۲۵۶، بحوالہ ترمذی:۲۵۱۶)

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

حفصہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا:

آپ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سے آپ کا نکاح مبارک:

یہ خنیس بن حذافہ سہمی کی زوجیت اور نکاح میں تھیں، عدت کی تکمیل کے بعد سن تین ہجری میں نبی کریم ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا، یہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئی تھیں، اس طرح بیس سال کی عمر میں نبی کریم ﷺ کی زوجیت میں آئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی صاحبزادی کے لئے پیغام نکاح دینا:

جب حضرت حفصہ بیوہ ہوگئیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کو اپنی بیٹی کا پیغام نکاح دیا، انہوں نے اس حوالہ سے کچھ جواب مرحمت نہیں فرمایا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کی پیشکش کی تو انہوں نے فرمایا: میں ابھی تو نکاح کا ارادہ نہیں رکھتا، یہ ان سے غصہ ہوگئے اور ان کا دل ٹوٹ گیا، انہوں نے اس بات کی شکایت حضور اکرم ﷺ سے کی تو آپ ﷺ فرمایا: ''حفصہ کا نکاح عثمان سے بہتر شخص سے ہوگا، اور عثمان کا نکاح حفصہ سے بہتر عورت سے ہوگا'' پھر حضور اکرم ﷺ اپنا پیغام نکاح دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت رسول اللہ ﷺ سے فرمادیا۔ چناں چہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمانؓ کا نکاح اپنی صاحبزادی ام کلثومؓ کے انتقال کے بعد اپنی دوسری صاحبزادی رقیہؓ سے فرمادیا، پھر جب حضرت حفصہؓ کا نکاح نبی کریم ﷺ سے ہوگیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرکے ان سے معذرت کی اور فرمایا: میرے حوالے سے دل میں خلش نہ رکھئے؛ کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے حفصہ کا تذکرہ فرمایا تھا، میں نبی کریم ﷺ کے راز کا افشاء اور اظہار نہیں چاہتا تھا اور نبی کریم ﷺ نے اس ارادہ کو ترک فرمایا ہوتا میں نکاح کرتا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مناقب وفضائل:

روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کو ایک طلاق دیا، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام کے حکم سے رجوع فرمالیا، اور فرمایا: ''یہ نہایت روزہ دار، تہجد گذار ہیں یہ جنت میں آپ کی زوجہ رہیں گی'' اس روایت کی سند صالح ہے۔

حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں ہی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حجت کی جس کے متعلق قرآن کریم کا یہ ارشاد نازل ہوا ہے۔ ''إِن تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِن تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ'' (سورۃ التحریم: ۴) (اے نبی کی دونوں بیویو!) اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کرلو تو تمہارے دل مائل ہو گئے، اور اگر پیغمبر کے مقابلہ میں تم دونوں آپس میں کارروائیاں کرتی رہو تو اللہ ان کا مولیٰ ہے اور جبرائیل بھی اور نیک مسلمان بھی، اور ان کے علاوہ فرشتے مددگار ہیں)۔

حضرت حفصہؓ کی وفات:

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات سن اکتالیس میں عام الجماعۃ (حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے اختلاف کے ختم اور مسلمانوں کے حضرت حسن کی خلافت سے دست برداری کی وجہ سے حضرت معاویہ کی بیعت پر اتفاق کے سال) ہوئی

☆☆☆☆☆☆☆

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

حضرت صفیہ یہ حُیی بن اخطب بن سعیہ کی بیٹی ہیں، ان کا سلسلۂ نسب لاوی بن نبی اللہ اسرائیل بن اسحاق بن ابراہیم، اور پھر حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل تک پہنچتا ہے۔

حضرت صفیہؓ کی تعریف لوگوں کی زبانی:

ان کے اسلام لانے سے قبل یہ سلام بن ابی الحقیق، پھر کنانہ بن الحقیق کی زوجیت میں رہیں، یہ دونوں یہودی شاعر تھے، کنانہ کا انتقال جنگ خیبر میں ہوگیا، یہ قید ہو کر دحیہ الکلبی کے حصہ میں آئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت صفیہؓ کے متعلق کہا گیا ان کو تو آپ کے حصہ میں ہونا چاہئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی سے ان کو لے لیا، اور حضرت دحیہ کلبی کو ان کے عوض سات غلام مرحمت فرمائے۔

حضرت صفیہؓ کا مہر:

پھر جب یہ حیض کے بعد پاک ہوئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔

نہایت شریف اور باوقار عورت:

یہ نہایت شریف، زیرک، عقلمند، حسب ونسب کی حامل، دیندار خاتون تھیں، یہ نہایت بردبار اور صاحب وقار عورت تھیں۔

صلہ رحمی و بردباری:

ابوعمر بن عبدالبر کہتے ہیں کہ حضرت صفیہ کی باندی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی، اور کہنے لگے: حضرت صفیہ ہفتہ کے روزہ رکھنے کو پسند کرتی ہیں اور اس میں یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس حوالے سے دریافت کرنے کے لئے حضرت صفیہؓ کے پاس کسی کو بھیجا، تو انہوں نے فرمایا: ہفتہ سے محبت کی جہاں تک بات ہے، میں جب سے اللہ عزوجل نے ہفتہ کے بدلے میں جمعہ کا دن نصیب فرمایا ہے میں ہفتہ کے دن کو پسندیدہ نہیں سمجھتی، یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کی وجہ یہ ہے کہ وہ میرے رشتہ دار ہیں؛ میں اس لئے ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں، پھر باندی سے کہا: تم نے اس طرح کی حرکت کیوں کی تو کہا: شیطان کی وجہ سے تو فرمایا: جاؤ، تم آزاد ہو۔

حضرت صفیہ کا انتقال:

یہ سن پچاس میں وفات پا گئیں اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

آزادیٔ ہند

جنگ آزادی میں علماءِ مدارس کا کردار

از: مولانا شوکت علی قاسمی بستوی*

مدارس اسلامیہ ہند نے جہالت وناخواندگی کے قلع قمع، علوم وفنون کی تعلیم واشاعت اور ملت اسلامیہ کی دینی وملی قیادت ورہنمائی کا فریضہ ہی انجام نہیں دیا ہے؛ بلکہ ملک وملت کے وسیع تر مفاد میں بھی ان مدرسوں کی خدمات بڑی روشن ہیں، بالخصوص برطانوی سامراج کے ظلم واستبداد اور غلامی ومحکومی سے نجات دلانے اور ابنائے وطن کو عروسِ حریت سے ہم کنار کرانے میں، مدارس اسلامیہ اور ان کے قائدین کی قربانیاں آب زر سے لکھی جانے کے قابل ہیں، وہ مدارس اسلامیہ کے جان باز علماء کرام ہی تو تھے جنھوں نے ملک میں آزادی کا صور اس وقت پھونکا جب عام طور پر دیگر لوگ خواب غفلت میں مست، آزادی کی ضرورت واہمیت سے نابلد اور احساسِ غلامی سے بھی عاری تھے۔

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا

مگر یہ بھی بڑا قومی المیہ ہے کہ ۱۵/ اگست کے تاریخ ساز اور یادگار قومی دن کے مبارک ومسعود موقع پر جب مجاہدین آزادی کی قربانیوں کو یاد کیا جاتا ہے، ان کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے، تو ان علماء کرام اور مجاہدین حریت کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے جنھوں نے ملک کی آزادی کی خاطر قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں، مالٹا اور کالا پانی میں ہر طرح کی اذیتیں جھیلیں اور جان نثاری وسرفروشی کی ایسی مثال قائم کیں جن کی نظیر نہیں ملتی اور ملک کا چپہ چپہ ان کی قربانیوں کا چشم دید گواہ ہے۔

پتہ پتہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے

ملک کا ایک طبقہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ دینی واسلامی مدارس، قومی دھارے سے بالکل الگ تھلگ، ملکی وقومی مفادات سے بے پرواہو کر صرف دینی تعلیم کی اشاعت میں لگے رہتے ہیں، مدارس کے فضلا گرد وپیش کے حالات سے بے خبر اور ملکی وقومی خدمت کے شعور واحساس سے بھی عاری ہوتے ہیں۔ لیکن مدارس اسلامیہ کا

* استاذ تفسیر وادب عربی دار العلوم دیوبند، وناظم عمومی کل ہند رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ

شاندار ماضی، اس مفروضہ کو قطعاً غلط اور بے بنیاد قرار دیتا ہے، اور تاریخ ہند کی پیشانی پر ثبت، مدارس اسلامیہ کی ملکی وقومی خدمات اور کارناموں کے نقوش پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ مدارس اسلامیہ کے علماء کرام وفضلاء عظام نے ہمیشہ ملکی مفادات کی پاسبانی اور اپنے خون پسینہ سے چمنستان ہند کی آب یاری کی ہے اور ملک کی آزادی کی تاریخ ان قربانیوں سے لالہ زار ہے، چنانچہ ان ہزاروں علماء کرام اور مجاہدین آزادی کی ایک لمبی فہرست ہے جنھوں نے آزادی کی خاطر ہر طرح کی قربانیاں پیش کیں اور قائدانہ رول ادا کیا، خصوصاً حضرت مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی، مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی، مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی، مولانا سید احمد شہید رائے بریلوی، مولانا سید اسماعیل شہید دہلوی، مولانا شاہ اسحاق دہلوی، مولانا عبدالحئ بڈھانوی، مولانا ولایت علی عظیم آبادی، مولانا جعفر تھانیسری، مولانا عبداللہ صادق پوری، مولانا نذیر حسین دہلوی، مفتی صدرالدین آزردہ، مفتی عنایت احمد کاکوری، مولانا فریدالدین شہید دہلوی، سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، امام حریت مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، قاضی عنایت احمد تھانوی، قاضی عبدالرحیم تھانوی، حافظ ضامن شہید، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا فیض احمد بدایونی، مولانا احمد اللہ مدراسی، مولانا فضل حق خیرآبادی، مولانا رضی اللہ بدایونی، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، امام انقلاب شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری، مولانا محمد علی جوہر، مولانا حسرت موہانی، مولانا شوکت علی رام پوری، مولانا عبیداللہ سندھی مولانا ڈاکٹر برکت اللہ بھوپالی، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا کفایت اللہ دہلوی، مولانا سیف الرحمن کابلی، مولانا وحید احمد فیض آبادی، مولانا محمد میاں انصاری، مولانا عزیر گل پشاوری، مولانا حکیم نصرت حسین فتحپوری، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا ابوالمحاسن سجاد پٹنوی، مولانا احمد سعید دہلوی، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، مولانا محمد میاں دہلوی، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا عبدالحلیم صدیقی، مولانا نورالدین بہاری وغیرہ آسمان حریت کے وہ تابندہ ستارے ہیں جنھوں نے محکومی کی شب دیجور کو تار تار کیا اور ملک کے چپے چپے کو انوار حریت کی ضوفشانی سے معمور کر دیا۔

یہ ہند میں سرمایۂ ملت کے نگہباں
اللہ نے بر وقت کیا ان کو خبردار

مذکورہ مجاہدین وعلماء کرام سب مدارس اسلامیہ ہی کے فضلا وفیض یافتہ تھے ایک دو حضرات ایسے ہیں جو باضابطہ کسی مدرسے کے فارغ نہ تھے لیکن علماء کرام کے باضابطہ صحبت یافتہ ضرور تھے، ان میں وہ علماء کرام بھی ہیں جنھوں نے جدوجہد آزادی کا آغاز کیا اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور پھر سید احمد شہید کی زیر قیادت کام کرتے رہے اور ان کے بعد بھی جدوجہد جاری رکھی، وہ علماء کرام بھی ہیں جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ

آزادی میں بنفس نفیس شرکت فرمائی پھر وہ علماء کرام ہیں جو زعیم حریت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اور امام الہند مولانا ابوالکلام کی زیر قیادت جنگ آزادی میں شریک رہے۔ ان حضرات کی قربانیوں کی ایک جھلک پیش کرنے کے لئے ہمیں سلسلہ وار واقعات پر ایک نظر ڈالنی ہوگی۔

سولہویں صدی عیسوی کے ختم ہوتے ہوتے انگلستانی سوداگر ہندوستان پہنچ چکے تھے ۱۶۰۱ / میں ملکہ ایلزبیتھ کی اجازت سے ایک سوتاجروں نے تیس ہزار پونڈ کی خطیر رقم لگا کر ایک تجارتی ادارہ ایسٹ انڈیا کمپنی (East India Company) کے نام سے قائم کیا، مغربی بنگال کو کمپنی نے اپنا مرکز بنایا اور ڈیڑھ سو سال تک اپنی تمام تر توجہ صرف تجارت پر مرکوز رکھی لیکن جب حضرت اورنگ زیب عالمگیر، اور معظم شاہ کے بعد مغلیہ حکومت کی بنیادیں کمزور پڑ گئیں اور ملک میں انارکی اور طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوا تو ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنا مکھوٹا اتار پھینکا اور نظام حکومت میں مداخلت شروع کر دی۔ ۱۷۵۷ / میں پلاسی کی جنگ میں نواب سراج الدولہ کے خلاف انگریزوں کی فوجیں کھلم کھلا میدان میں آ گئیں اور ننگ ملت ننگ دین اور ننگ وطن میر جعفر کی غداری کے سبب نواب سراج الدولہ کو شکست کا منھ دیکھنا پڑا اور پورے بنگال پر انگریز قابض ہو گئے، پھر ۱۷۶۴ / میں انگریزوں کے خلاف نواب شجاع الدولہ کو بکسر میں شکست ہوئی اور بہار و بنگال انگریز کی دیوانی میں چلے گئے۔ ۱۷۹۲ / میں بطل حریت سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد انگریزوں نے میسور پر قبضہ کر لیا۔ ۱۸۴۹ میں پنجاب بھی کمپنی کے قبضہ میں آ گیا اسی طرح سندھ آسام، برما، اودھ، روہیل کھنڈ، جنوبی دوآبہ، علی گڈھ، شمالی دوآبہ، مدراس و پانڈی چری وغیرہ انگریزوں کے زیر تسلط آ گئے اور پھر وہ وقت بھی آ پہنچا جب دہلی پر بھی کمپنی کی حکومت قائم ہوگئی اور مغل بادشاہ کا صرف نام رہ گیا، ان علاقوں پر انگریزوں نے فتح حاصل کرنے کے لیے کیا کیا تدبیریں کیں مسز اینی بیسنٹ کی زبانی سنئے:

"کمپنی والوں کی جنگ سپاہیوں کی جنگ نہ تھی بلکہ تاجروں کی جنگ تھی، ہندوستان کو انگلستان نے اپنی تلوار سے فتح نہ کیا بلکہ خود ہندوستانیوں کی تلوار سے اور رشوت و سازش، نفاق، اور حد درجہ کی دورخی پالیسی پہ عمل کر کے ایک جماعت کو دوسری جماعت سے لڑا کر اس نے یہ ملک حاصل کیا۔ (ہندوستان کی کوشش آزادی کے لئے ص:۵۶)

ملک میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے پھیلتے ہوئے جال اور بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو سب سے پہلے اگر کسی نے محسوس کیا تو وہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی کی عبقری شخصیت تھی آپ نے پوری دور اندیشی کے ساتھ اصلاح کے اصول بیان کئے طریقہ کار کی نشاندہی فرمائی اور باشندگان وطن کے بنیادی حقوق پامال کرنے والے نظام حکومت کو درہم برہم کر دینے کی تلقین کی اور اس کیلئے طاقت کے استعمال پر بھی زور دیا، ان کے متعین کردہ

نقشہ راہ کے مطابق ان کے فرزند اکبر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے برطانوی استعمار کے خلاف جدوجہد کا منظم آغاز کیا، انگریزوں کے خلاف تاریخ ساز فتویٰ صادر فرمایا اور ملک کے دارالحرب ہونے کا اعلان کیا جو انگریز کے خلاف اعلان جہاد کے مترادف تھا یہ فتویٰ جنگل کی آگ کی طرح ملک کے کونے کونے میں پہنچ گیا، ۱۸۱۸ / میں عوام کی ذہن سازی کے لئے مولانا سید احمد شہید، مولانا اسماعیل دہلوی، اور مولانا عبدالحئی بڈھانوی کی مشاورت میں ایک جماعت تشکیل دی گئی جس نے ملک کے اطراف میں پہنچ کر دینی اور سیاسی بیداری پیدا کی، پھر انگریزوں سے جہاد کے لئے ۱۸۲۰ / میں مولانا سید احمد شہید رائے بریلوی کی قیادت میں مجاہدین کو روانہ کیا گیا، انھوں نے جنگی خصوصیات کی بنا پر جہاد کا مرکز صوبہ سرحد کو بنایا، مقصد انگریزوں سے جہاد تھا لیکن پنجاب کے راجہ انگریزوں کے وفادار تھے، اس جہاد کے مخالف تھے اور اس کو ناکام کرنے کی تدبیریں کر رہے تھے اس لئے پہلے حضرت سید احمد شہید نے ان کو پیغام بھیجا کہ "تم ہمارا ساتھ دو، دشمنوں (انگریزوں) کے خلاف جنگ کر کے ہم ملک تمہارے حوالے کر دیں گے، ہم ملک و مال کے طالب نہیں" لیکن راجہ نے انگریز کی وفاداری ترک نہ کی تو اس سے بھی جہاد کیا گیا ۱۸۳۱ / میں بالاکوٹ کے میدان میں حضرت مولانا رائے بریلوی نے جام شہادت نوش کیا، مگر ان کے متوسلین نے ہمت نہیں ہاری بلکہ ملک کے مختلف اطراف میں انگریز کے خلاف گوریلا جنگ جاری رکھی۔ ۱۸۵۷ / کی جنگ کے لیے سید صاحب کے متوسلین ومجاہدین نے فضا ہموار کرنے اور افراد تیار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

۱۸۵۷ / کی جنگ آزادی میں علماء کرام نے باقاعدہ جنگ میں حصہ لیا، یہ علماء کرام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور حضرت سید احمد شہید رحمہم اللہ کی سلسلۃ الذہب (طلائی زنجیر) کی سنہری کڑی تھے۔ اس جنگ کے لیے علماء کرام نے عوام کو جہاد کی ترغیب دلانے کے لئے ملک کے طول وعرض میں وعظ وتقریر کا بازار گرم کر دیا اور جہاد پر ابھارنے کا فریضہ انجام دیا نیز ایک متفقہ فتویٰ جاری کر کے انگریزوں سے جہاد کو فرض عین قرار دیا۔ اس فتویٰ نے جلتے پر تیل کا کام کیا اور پورے ملک میں آزادی کی آگ بھڑک اٹھی، اکابر علماء دیوبند نے شاملی کے میدان میں جہاد میں خود شرکت کی۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حافظ ضامن شہید نے حضرت سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی، پھر تیاری شروع کر دی گئی، حضرت حاجی صاحب کو امام مقرر کیا گیا مولانا منیر نانوتوی کو فوج کے دائیں بازو کا اور حافظ ضامن تھانوی کو بائیں بازو کا افسر مقرر کیا گیا مجاہدین نے پہلا حملہ شیر علی کی سڑک پر انگریزی فوج پر کیا اور مال واسباب لوٹ لیا، دوسرا حملہ ۱۴ / ستمبر ۱۸۵۷ / کو شاملی پر کیا، اور فتح حاصل کی، جب

خبر آئی کہ توپ خانہ سہارنپور سے شاملی کو بھیجا گیا ہے تو حضرت حاجی صاحب نے مولانا گنگوہی کو چالیس پچاس مجاہدین کے ساتھ مقرر کیا، سڑک باغ کے کنارے سے گزرتی تھی، مجاہدین اس باغ میں چھپے تھے جب پلٹن وہاں سے گذری تو مجاہدین نے ایک ساتھ فائر کر دیا پلٹن گھبرا گئی اور توپ خانہ چھوڑ کر بھاگ گئی اسی معرکہ میں حافظ ضامن صاحب تھانوی شہید ہوئے سید حسن عسکری صاحب کو سہارنپور لا کر انگریزوں نے گولی ماردی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی مظفر نگر جیل میں ڈال دیئے گئے اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی آئندہ کی حکمت عملی طے کرنے کے لئے انڈر گراؤنڈ چلے گئے۔

۱۸۵۷ / کی جنگ آزادی مختلف وجوہ واسباب کی بنا پر ناکام رہی اور آزادی کے متوالوں پر ہول ناک مظالم کے پہاڑ توڑ ڈالے گئے۔ ان میں مسلمان اور بطور خاص علماء، انگریزوں کی مشق ستم کا نشانہ بنے، اس لئے کہ انھوں نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اور علماء کرام نے ان کے خلاف فتویٰ دے کر جہاد کا اعلان عام کر دیا تھا، چنانچہ ۱۸۵۷ / سے چودہ برس پہلے ہی گورنر جنرل ہند نے یہ کہہ دیا تھا کہ مسلمان بنیادی طور پر ہمارے مخالف ہیں اس جنگ میں دو لاکھ مسلمانوں کو شہید کیا گیا جن میں ساڑھے اکیاون ہزار علماء کرام تھے، انگریز علماء کے اتنے دشمن تھے کہ ڈاڑھی اور لمبے کرتے والوں کو دیکھتے ہی پھانسیاں دے دیتے تھے، ایڈورڈ ٹامسن نے شہادت دی ہے کہ صرف دہلی میں پانچ سو علماء کو پھانسی دی گئی (ریشمی رومال ص: ۴۵) پوری دہلی کو مقتل میں تبدیل کر دیا گیا تھا مرزا غالب کی زبان میں۔

چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے
گھر نمونہ بنا ہے زنداں کا
شہر دلی کا ذرّہ ذرّہ خاک
تشنۂ خوں ہے ہر مسلمان کا

دہلی، کلکتہ، لاہور، بمبئی، پٹنہ، انبالہ، الہ آباد، لکھنؤ، سہارنپور، شاملی اور ملک کے چپے چپے میں مسلمان اور دیگر مظلوم ہندوستانیوں کی لاشیں نظر آرہی تھیں علماء کرام کو زندہ خنزیر کی کھالوں میں سی دیا جاتا پھر نذر آتش کر دیا جاتا تھا کبھی ان کے بدن پر خنزیر کی چربی مل دی جاتی پھر زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ (دیکھئے ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء)

اس جنگ میں ناکامی کی بنیادی وجہ افراد و وسائل کی قلت اور تنظیم کی کمی تھی اس لئے اکابر دیوبند نے غور و خوض کے بعد، دیوبند میں ۱۸۶۶ / میں دار العلوم دیوبند قائم کیا، اس کا مقصد جہاں تعلیم و تعلم تھا وہیں ملک کی آزادی کے لئے افراد و رجال کار کی تیاری بھی تھی جو قوم اور ملک کی قیادت کر سکیں کاروان آزادی کو کامیابی کے

ساتھ منزل تک پہنچا سکیں چنانچہ دارالعلوم کے پہلے طالب علم جو فراغت کے بعد دارالعلوم میں استاذ اور صدرالمدرسین کے منصب جلیل پر فائز ہوئے انھوں نے ایک موقع پر فرمایا:

"حضرت الاستاذ (حضرت نانوتویؒ) نے اس مدرسے کو کیا درس تدریس، تعلیم وتعلّم کیلئے قائم کیا تھا؟ مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷ / کے ہنگامہ کی ناکامی کے بعد یہ ادارہ قائم کیا گیا تاکہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جائے تاکہ ۱۸۵۷ / کی تلافی کی جاسکے"

(رسالہ دارالعلوم شمارہ جمادی الثانی ۱۳۷۲ھ)

معلوم ہوا کہ ملک کی خدمت اور اس کی آزادی سے ہم کنار کرنے کا جذبہ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے، اسی طرح جو مدارس دارالعلوم کے نہج پر بعد میں قائم کئے گئے ان کے قیام کے مقاصد میں بھی ایک اہم مقصد یہ رہا ہے کہ ایسے رجال کار اور افراد تیار کئے جائیں جو ملک کی تعمیر وترقی میں موثر رول ادا کرسکیں، پھر ملک کی تعمیر وترقی کے لئے وسیع پیمانے پر جدوجہد کیلئے اکابر دارالعلوم دیوبند نے جمعیۃ علماء ہند قائم کی جو دارالعلوم کا سیاسی بازو تھی، اکابر جمعیۃ نے عوام میں بیداری کی لہر پیدا کرنے اور آزادی کے لیے فضا سازگار بنانے میں اہم رول ادا کیا جمعیۃ نے کانگریس سے بھی پہلے "کوئٹ انڈیا" "ہندوستان چھوڑو" کا مطالبہ اپنی تجویز کے ذریعہ کیا، مولانا ابوالکلام آزاد نے جمعیۃ اور کانگریس کے پلیٹ فارم سے، اور مولانا محمد علی جوہر اور مولانا حسرت موہانی وغیرہ نے آزادی کے لئے جو خدمات انجام دیں وہ روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔

یہاں امام انقلاب حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ نے اپنے رفقاء کار کے ساتھ مل کر جو آزادی کی تحریک برپا کی تھی، اس پر روشنی ڈالنا مناسب ہوگا یہ تحریک ریشمی رومال کے نام سے مشہور ہوئی ۱۸۵۷ / کی جنگ کی ناکامی کے بعد ملک کی آزادی کے لئے یہ ہمہ گیر تحریک شروع کی گئی تھی، پہلے حضرت شیخ الہند نے فضلاء دیوبند کی ایک تنظیم ثمرۃ التربیہ قائم کی پھر جمعیۃ الانصار قائم کی اور اس کے تحت فضلاء کو مربوط کیا اور ان کو منظم اور ٹرینڈ کیا گیا، فضلاء میں کابل اور سرحد کے فضلاء بھی تھے، حضرت سید احمد شہید کی تحریک کے اثرات وہاں باقی تھے حضرت شیخ الہند نے اسی علاقہ کو اپنی تحریک کا مرکز بنایا، پروگرام یہ تھا کہ اس علاقے کو جوش جہاد سے معمور کردیا جائے اور حکومت افغانستان کو آمادہ کیا جائے کہ وہ مجاہدین آزادی ہند کا تعاون کرے اور ٹرکی حکومت سے رابطہ کرکے اسے تیار کیا جائے کہ وہ ہندوستان میں برطانوی حکومت پر حملہ کردے اور اندرون ملک بغاوت وانقلاب کی آگ بھڑکادی جائے اور اندرونی اور بیرونی یورش سے مجبور ہوکر برطانیہ ہندوستان چھوڑنے پر مجبور ہوجائے، اس کے لئے حضرت شیخ الہند نے اندرون ملک دہلی، لاہور، پانی پت،

دین پور، امروت، کراچی، اتمان زئی، ڈھاکہ وغیرہ کو مرکز بنایا، مشن کی کامیابی کے لئے برما، چین، فرانس اور امریکہ وفود روانہ کئے اور ان کی حمایت حاصل کی۔ مولانا عبیداللہ سندھی کو آپ نے کابل میں رہ کر خدمات انجام دینے کا حکم دیا اور خود حجاز مقدس تشریف لے گئے تاکہ وہاں خلافت عثمانیہ کے ذمہ داروں سے مل کر ذہن سازی کی جائے اور ترکی کو برطانوی حکومت کے خلاف حملہ کیلئے راغب کیا جائے چنانچہ حضرت نے گورنر غالب پاشا سے ملاقات کی اس نے مکمل تعاون کیا اور وزیر جنگ ترکی، انور پاشا سے بھی مدینہ منورہ میں حضرت شیخ الہند کی ملاقات ہوئی اور وزیر جنگ ترکی نے اپنے ہر تعاون کا یقین دلایا۔ اس تحریک میں مولانا سندھی نے ایک ریشمی رومال پر ایک خفیہ خط بنوایا تھا اس لئے اس کا نام ریشمی رومال تحریک پڑ گیا۔ اس تحریک کے ارکان ومعاونین میں حضرت شیخ الہند کے علاوہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عبیداللہ سندھی، حاجی ترنگ زئی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالرحیم رائے پوری، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا صادق کراچوی، خان عبدالغفار خاں سرحدی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا عزیر گل، مولانا برکت اللہ بھوپالی، اور غیر مسلم ارکان تحریک میں راجہ مہندر پرتاپ سنگھ، ڈاکٹر متھرا سنگھ، اے پی پی اچاریہ وغیرہ شامل تھے تحریک کا راز فاش ہوجانے اور حضرت شیخ الہند کے گرفتار ہوجانے کے باعث تحریک کامیابی سے ہم کنار ہوتے ہوتے رہ گئی لیکن تحریک سے ہندو مسلم اتحاد کے ساتھ آزادی کی لڑائی لڑنے کی مضبوط بنیاد قائم ہوگئی۔ حضرت شیخ الہند کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے گاندھی جی کا خلافت کمیٹی اور جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم اور فنڈ سے پورے ملک کا دورہ کرایا اور ایک ساتھ مل کر جنگ آزادی میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا گیا۔

اس موقع پر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کو سلام عقیدت پیش کرنا بھی ضرری ہے، انھوں نے ساری زندگی حضرت شیخ الہند کے نقش قدم پر چل کر ملک کی آزادی اور تعمیر وترقی میں صرف کردی اور جمعیۃ اور کانگریس کے پلیٹ فارم سے جو کارنامے انجام دیئے وہ آب زر سے لکھے جائیں گے، ۱۹۲۰ / میں جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس عام میں یہ طے کیا گیا کہ گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ موالات ونصرت کے تمام تعلقات اور معاملات حرام ہیں اس کے لئے ضروری ہے کہ (۱) خطابات اور اعزازی عہدے چھوڑ دیئے جائیں (۲) کونسلوں کی ممبری ترک کردی جائے (۳) دشمنان دین انگریز کو تجارتی نفع نہ پہنچایا جائے (۴) اسکولوں اور کالجوں میں سرکاری امداد قبول نہ کی جائے (۵) دشمنان دین کی فوج میں ملازمت کو حرام سمجھا جائے (۶) سرکاری عدالتوں میں مقدمات نہ لے جائے جائیں ۱۹۲۱ / جولائی میں کراچی میں تحریک خلافت کے اجلاس میں بھی حضرت مدنی نے مذکورہ تجاویز کا اعلان فرمایا جس کی تائید مولانا محمد علی جوہر، ڈاکٹر سیف الدین کچلو وغیرہ نے کی، جس کے نتیجہ میں

حضرت مدنی وغیرہ کو گرفتار کرلیا گیا ۲۶ /ستمبر ۱۹۲۱ /کو کراچی عدالت میں حضرت مدنی نے پوری بے باکی اور شجاعت کے ساتھ طویل بیان دیا، اور مذکورہ امور کو دہرایا اور فرمایا کہ برطانوی حکومت کی فوج میں ملازمت حرام ہے اگر گورنمنٹ ہماری مذہبی آزادی سلب کرنے پر تیار ہے تو مسلمان اپنی جان تک قربان کردینے کو تیار ہوں گے اور میں پہلا شخص ہوں گا جو اپنی جان قربان کروں گا اس بیان کے بعد رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر نے حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے قدم چوم لئے (چراغ محمد ص ۱۱۵)

جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے اور جن اکابر علماء نے آزادی اور پھر ملک کی تعمیر وترقی میں روشن خدمات انجام دیں ان میں مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا سجاد بہاریؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، شاہ معین الدین اجمیریؒ، مولانا عبدالحق مدنیؒ، مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ، مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ، مولانا فخر الدین احمد مرادآبادیؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ، وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

اس بزم جنوں کے دیوانے ہر راہ سے پہنچے یزداں تک
ہیں عام ہمارے افسانے دیوار چمن سے زنداں تک

ملک کی آزادی کے حوالے سے قربانیاں پیش کرنے والے مدارس اسلامیہ کے اکابر علمائے کرام کی خدمات کی ایک جھلک پیش کی گئی اور "لذیذ بود حکایت دراز تر گفتیم" کے تحت ذرا دراز نفسی کے ساتھ پیش کی گئی، حقیقت یہ ہے کہ علمائے کرام نے جہاد آزادی کے چمن کو اپنے خون جگر سے سینچا اور پروان چڑھایا ہے۔

جب پڑا وقت ، گلستاں کو خون ہم نے دیا
بہار آئی تو کہتے ہیں تیرا کام نہیں

کام کیا ہوتا، ارباب اقتدار اور فرقہ پرست عناصر کو تو ان کا نام تک لینا گوارا نہیں، لیکن یہ خود ہماری ذمہ داری ہے کہ اپنے ملک اور قوم کے ہیرو، ان مجاہدین کرام کو خراج عقیدت پیش کریں اور ان کی تاریخ اور کارناموں سے واقفیت حاصل کریں اور ان کے نقوش زندگی کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں کہ۔

یہ ہیں وہ سورما، وہ مجاہد ہیں یہ،
فیض سے جن کے یہ ملک آزاد ہے
ان کو ہم بھول جائیں یہ زیبا نہیں،
یہ وطن ان کے احساس سے آباد ہے

لمحہ فکریہ

ہوس کی دھوم دھام ہے نگر نگر گلی گلی

حجاب کے خلاف بنائی گئی متنازع فلم کا منصفانہ جائزہ

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی*

ایک بار پھر انسانیت شرمسار ہوگئی، عفت وحیا کا جنازہ نکل گیا، مساوات کے نام پر صنف نازک کی عزت وعصمت سرعام نیلام کی گئی اور مغرب کے انسان نما درندوں نے برقعہ اور حجاب کی کردار کشی کے ذریعہ اسلامی اقدار وروایات پر شب خون مارنے کی ایک اور ناپاک کوشش کی، یوں انڈین سینسر بورڈ کی اجازت کے بعد بالی وڈ کی متنازع ترین فلم ''لپ سٹک اَنڈر مائی برقعہ'' ریلیز ہوکر منظر عام پر آ گئی۔

اخباری ذرائع کے مطابق یہ فلم دراصل عورتوں کے جنسی تخیل کی کہانی ہے، ایک ایسی کہانی جو بھوپال کی چار خواتین کے گرد گھومتی ہے؛ جس میں چاروں کو جنسی طور پر منحرف دکھایا جاتا ہے، ۱۵ سے ۵۵ برس کی یہ خواتین معاشرے کے تمام بندھنوں کو توڑ کر عمر کا لحاظ کئے بغیر شوہر اور باپ کی نظروں سے دور عریانیت کا ننگا ناچ کرتی ہیں، اس پر طرفہ یہ کہ وہ حجاب کو قید وبند تصور کرتی ہوئی اس کے خلاف نعرۂ احتجاج بھی بلند کرتی ہیں۔

مختصر یہ کہ اس فلم کے ذریعہ یہ پیغام دیا گیا کہ اسلام کا قانون حجاب ایک خوفناک زنجیر ہے؛ جس میں عورتوں کو بری طرح جکڑ دیا جاتا ہے، ان کے خواہشات کا استحصال کیا جاتا ہے، ان کو رونق محفل بننے اور مردوں کے شانہ بہ شانہ چلنے سے روک دیا جاتا ہے..... بایں ہمہ مسلم معاشرے میں باپ کا کردار نہایت ظالمانہ ہوتا ہے وہ اپنی بیٹی کے ساتھ ہمیشہ تلخ وتند لہجے میں گفتگو کرتا ہے، اس کو بار بار دھمکیاں دیتا ہے حتیٰ کہ جائز وشرعی حدود سے بھی اس کو محروم کر دیتا ہے۔

شوہر کے تعلق سے یہ تصور دیا گیا کہ وہ خود تو ڈھنگ اور لگن سے نہیں کماتا نہ بیوی کو کمانے کیلئے باہر نکلنے کی اجازت دیتا ہے؛ بلکہ باہر دوسری عورتوں کے ساتھ شناسائی رکھتا ہے اور خوب من مانی کرتا ہے، اس طرح اولاد کی تربیت ونشوونما ایک دشوار گزار مسئلہ بن جاتا ہے اور اسلام کا نظامِ نکاح عورت کیلئے وبال جان ثابت ہوتا ہے۔

یہ تھی اس فحش فلم سے متعلق وہ ضروری تفصیلات جو ''بی بی سی'' سمیت متعدد نیوز پورٹلوں میں نشر کی گئیں۔

اب آیئے اسلام کے قانونِ حجاب پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں! اور دیکھیں کہ کیا واقعی حجاب عورتوں کے لئے ظلم ہے؟

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

حجاب کیا ہے؟؟

حجاب، مسلم معاشرے میں عفت و پاکیزگی کے فروغ اور حیاء و پاکدامنی کے تحفظ کا بنیادی ذریعہ ہے، حجاب، خاتون مشرق کے سر کا تاج اور آنکھ کا کاجل ہے، حجاب، حیادار معاشرے کی شاہ کلید اور صالح انقلاب کا زینہ ہے۔ دراصل اسلام نے عورت کو نگینے اور آبگینے جیسی حساس، نازک طبع اور قیمتی چیز سے تشبیہ دی ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں ان کی صنفی نزاکت کا بھرپور خیال رکھا ہے، اس لحاظ سے دیکھا جائے تو حجاب کے احکامات عورت کے لیے ایک حسین تحفہ کا درجہ رکھتے ہیں۔

زمانہِ قدیم سے ہی حجاب مشرقی روایت وجذبات کا عکاس رہا ہے، بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ مشرق کو جو چیز مغرب سے ممتاز کرتی ہے وہ حجاب کا استعمال ہے، احکامِ حجاب نہ صرف مرد خواتین کی معاشرتی حدود کا تعین کرتے ہیں بلکہ اسکی وسعت وسوچ کی پاکیزگی سے لیکر مرد وعورت کے دائرہ عمل سمیت معاشرتی زندگی کے بیشتر حصوں کا احاطہ کرتے ہیں۔

ایک نوبل انعام یافتہ مسلم لڑکی سے کسی صحافی نے پوچھا؛ آپ حجاب کیوں پہنتی ہیں جب کے آپ باشعور ہیں آپ نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے؟

اس عظیم لڑکی نے جواب بھی لاجواب دیا: ''آغازِ کائنات میں انسان بالکل بے لباس تھا اور جب اسے شعور آیا تو اس نے لباس پہننا شروع کیا، آج میں جس مقام پر ہوں اور جو پہنتی ہوں وہ انسانی سوچ اور انسانی تہذیب کا اعلیٰ ترین مقام ہے، حجاب تحفظ واعتماد کا احساس عطا کرتا ہے، یہ قدامت پسندی نہیں ہے، ہاں اگر لوگ پرانی قوموں کی طرح پھر سے بے لباس ہو جائیں تو یہ قدامت پسندی ہے۔ اس دنیا میں اُس عورت سے خوبصورت کوئی نہیں جو صرف اور صرف اپنے رب کو خوش کرنے کے لئے پردہ کرتی ہو''

حجاب اور نومسلم خواتین:

نومسلم ہندو دوشیزہ کملا داس جن کا اسلامی نام ثریا ہے ایک انٹرویو میں اس سوال پر کہ آپ کو اسلام میں سب سے زیادہ پرکشش بات کیا لگی؟ کہا: مجھے مسلمان عورتوں کا برقعہ بہت پسند ہے، میں پچھلے 24 برسوں سے پردے کو ترجیح دے رہی ہوں؛ جب کوئی عورت پردے میں ہوتی ہے تو اس کو احترام ملتا ہے۔ کوئی اس کو چھونے اور چھیڑنے کی ہمت نہیں کرسکتا، اس سے عورت کو مکمل تحفظ ملتا ہے۔ (ہفت روزہ ''نئی دنیا'' نئی دہلی 28 دسمبر 1999ء)

ثریا نے اب برقعہ کا استعمال بھی شروع کر دیا ہے۔ وہ پردے کے بغیر زندگی کو آزادی نہیں سمجھتی بلکہ ایسی آزادی کو عورت کے لئے زہر قاتل سمجھتی ہے۔ اس نے اس سوال پر کہ کیا برقعہ آپ کی آزادی کو متاثر نہیں کرتا؟

کہا: ''مجھے آزادی نہیں چاہئے۔ اب تو آزادی میرے لئے ایک بوجھ بن گئی ہے۔ مجھے اپنی زندگی کو باضابطہ اور باقاعدہ بنانے کیلئے گائیڈ لائن کی ضرورت تھی، ایک خدا کی تلاش تھی جو تحفظ دے، پردے سے عورت کو مکمل تحفظ ملتا ہے، پردہ تو عورت کے لئے بلٹ پروف جیکٹ ہے''۔ (ہم کیوں کفر سے اسلام میں داخل ہوئیں ص 116)

ایک اور نومسلم دوشیزہ صونی رولڈا اپنی سرگزشت اس طرح سناتی ہیں کہ ''میں نے سر ڈھانپنا شروع کیا تو میرے باپ کا تبصرہ یہ تھا کہ بڈھی کھوسٹ لگنے لگی ہو۔ یہ تبصرہ آج کل عام ہے۔ لوگ سر پر اسکارف باندھنا ترک کر چکے ہیں اس لئے شاید وہ مجھے عجوبہ سمجھتے ہیں۔ بہرحال میں تو اپنے آپ کو عجوبہ نہیں سمجھتی ہوں، میں مسلمان ہوں اور میں ناروے میں غیر ملکی ہوں، میرے مسلم احباب زیادہ تر عرب یا پاکستانی ہیں اس ماحول میں مجھے گرمجوشی، تدبر اور دانائی ملتی ہے، ایسی دانش جو ناروے کے انفرادیت پرست ماحول سے کوسوں دور ہے''۔

(ہم کیوں کفر سے اسلام میں داخل ہوئیں ص:224)

حجاب پر پابندی کی اصل وجہ:

حجاب کے بارے میں کئی ایک نقاطِ نظر پائے جاتے ہیں، کچھ لوگ حجاب کو روایت سمجھ کر مخالفت کرتے ہیں اور کچھ اسے دین اسلام کا حکم سمجھ کر مخالفت کرتے ہیں۔ کچھ اسے خواتین پر پابندی قرار دیتے ہیں، کچھ اسے عورت کی حفاظت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

جن ترقی یافتہ مغربی ملکوں میں حجاب اور برقعہ پر پابندی عائد کی جارہی ہے، ان ملکوں میں اسلام کی مقبولیت غیر معمولی طور پر بڑھ رہی ہے اور غیر مسلم مردوں کے ساتھ تعلیم یافتہ عورتیں خاصی تعداد میں اسلام قبول کررہی ہیں اس لہر نے لوگوں کو حواس باختہ بنادیا ہے۔ خاص طور پر 9/11 کے سازشی حادثہ کے بعد دنیا کے تمام مذاہب کی نظر اسلام پر مرکوز ہوگئی ہے اور اس کے ایک ایک جز پر جس سے مسلمانوں کی انفرادیت اور امتیاز کا پتہ چلتا ہے اس کے خلاف بڑی دیدہ ریزی سے تحقیق و ریسرچ کرکے اس میں کیڑے نکالے جارہے ہیں؛ جس کا ایک حصہ حجاب اور برقعہ بھی ہے۔

دراصل ان سیکولرز، لبرلز اور لادین لوگوں کا مسئلہ حجاب نہیں ہے بلکہ اسلام ہے اور جب جب جہاں جہاں انہیں اسلام پھلتا پھولتا نظر آتا ہے وہیں انہیں بے چینی شروع ہوجاتی ہے، ان کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ جاتی ہے اور ان کی ساری روشن خیالی، قوتِ برداشت، احترامِ انسانیت کا سبق، اور اعلیٰ اقدار کسی اندھے کنوئیں میں جا بیٹھتے ہیں۔

ان جنسی درندوں کو مسلم خواتین کے چہروں پر نقاب دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ نظر آتا ہے انہیں عورتیں برہنہ ہی اچھی لگتی ہیں۔ حجاب اور برقعہ ایک وبائی مرض کی طرح سارے یوروپی ممالک کے حکمرانوں کے

اعصاب پر سوار ہو چکا ہے۔ فرانس، بیلجیم، اسپین، اٹلی، ہالینڈ، جرمن، آسٹریلیا سارے ملکوں کا ایک اہم ایجنڈا ''حجاب'' بنا ہوا ہے، گزشتہ کئی برسوں سے یوروپی ممالک سے ایسی کوئی نہ کوئی خبریں موصول ہو رہی ہیں جس سے یہ صاف اشارے مل رہے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے یوروپی سماج کے دروازے بند ہوتے جا رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے برقعہ ہی آج کے دور کا ایسا مسئلہ بن گیا ہے جس سے دنیا کی ترقی اور یوروپی سماج متاثر ہو رہا ہے اور جب تک مسلم خواتین پردہ ترک نہیں کرتیں، مین اسٹریم میں جگہ نہیں بنا سکتی۔ ان کو سمجھانا ممکن نہیں ہے کہ برقعہ عورتوں کو بااختیار بناتا ہے یہ ان کا اضافی امتیاز اور پہچان ہے۔

ہم دوسروں کا رونا کیا روئیں! ہمارا اپنا گھر اپنے چراغ سے جلنے لگا ہے۔ مغرب زدہ مسلم ممالک میں بھی پردہ کی مخالفت کی جا رہی ہے اور اس کے تعلق سے قرآن وحدیث اور اسلامی معاشرہ کے برخلاف حجاب اور برقعہ کے تعلق سے وہی بولی بولی جا رہی ہے جو ان کے یوروپی آقا پیش کر رہے ہیں۔

جب کہ غور کیا جائے تو ہندوستان سمیت دنیا بھر کے تمام ممالک میں بڑھتی ہوئی فحاشی، بے راہ روی اور بے حیائی اور اس سے جنم لینے والی بے شمار برائیوں کی بنیادی وجہ بے پردگی اور بے حجابی ہے۔

کینڈا کے مشہور مبصر ہنری مسکاؤ جو مذہباً عیسائی ہیں لکھتے ہیں کہ ''میں نے اپنے کمرہ میں دو مختلف عورتوں کی تصویریں ایک ساتھ لگا رکھی ہیں۔ ایک تصویر، برقعہ پوش خاتون کی ہے جو سر سے پیر تک اس طرح ڈھکی ہوئی ہے کہ اس کا کوئی حصہ نہیں نظر آتا۔ دوسری تصویر میں ایک عورت کے جسم پر صرف بکنی ہے اور ہر کوئی اس کا سب کچھ دیکھ سکتا ہے۔ یہ دونوں تصویریں تہذیبی کشمکش کی مظہر ہیں، کسی بھی کلچر میں عورت کا کردار مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ میرے نزدیک برقعہ عورت کی پاکیزگی اور تقدیس کا غماز ہے۔ مسلم عورت کا محور توجہ اس کا گھر ہے جسے وہ بناتی اور چلاتی ہے، بچوں کی پرورش اور بڑوں کی مدد کرتی ہے۔ اس کے برعکس بکنی پوش عورتیں عملاً عریاں ہوتی ہیں، شارع عام پر ٹی وی پر لاکھوں کے سامنے اپنی نمائش کرتی ہیں، عملی اعتبار سے وہ ایسی پبلک پراپرٹی ہے جو کسی کی نہیں لیکن سب کی ہے، وہ خود کو لگاتار سر بازار بیچتی رہتی ہے۔ مغرب میں عورت کا تہذیبی پیمانہ اس کی جنسی کشش ہے۔ اس کشش کے معدوم ہوتے ہی وہ منظر سے غائب ہو کر متعدد مصیبتوں میں گھر جاتی ہے کسمپرسی کے عالم میں زندگی گزارنے پر مجبور ہوتی ہے۔''

ایک مغربی نقاد کے اس خوبصورت تجزیے اور تقابل سے ہر وہ شخص برقعہ کی اہمیت کو سمجھ سکتا ہے جو عورت کی سماج میں اصل عظمت اور قدر و منزلت کو تسلیم کرتا ہے؛ لیکن جنسی وحشیوں اور عورتوں کے بیوپاروں کی سمجھ میں یہ بات کبھی نہیں آسکتی خاص طور پر اس وقت جب کسی مذہب کے تعلق سے تعصب وعناد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہو۔

لمحہ فکریہ

انسانی دودھ بینکوں کا قیام مفید یا مضر؟

ڈاکٹر راحت مظاہری*

اسلامی شریعت میں مرد وعورت کے نکاح کے لئے جس طرح نسبی، صلبی وسسرالی رشتے حرام ہیں اسی طرح رضاعی (دودھ والے) رشتے بھی قطعاً حرام ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے: وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ (نساء) اور تمہارا نکاح حرام ہے ان ماؤں (عورتوں) کے ساتھ جن کا تم نے دودھ پیا ہے، اور تمہاری دودھ شریک بہنوں کے ساتھ، یعنی دودھ کا رشتہ بھی محرماتِ ابدیہ میں داخل ہے۔

اسی طرح مشکوٰۃ شریف کی جلد ۳ حدیث نمبر ۳۷۳ میں بھی جو عورتیں مردوں پر حرام ہیں ان کا تفصیلی بیان ہے۔

مگر دورِ حاضر میں ان تمام رشتوں کی نزاکت واہمیت کو نکارتے ہوئے مِلک بینک سسٹم قائم کئے جارہے ہیں، دیگر ترقی یافتہ ممالک کی طرز پر دہلی میں بھی پہلا ہیومین مِلک بینک ۲۶/اپریل ۲۰۱۶ء سے ''امارہ'' نام سے گریٹر کیلاش میں کھل گیا ہے جس میں ۱۳۰/ملی لیٹر بوتل کی قیمت ۱۵۰ روپئے سے ۲۰۰/روپئے تک ہے، جبکہ بھارت میں ایسا ملک بینک ممبئی میں ۱۹۸۹ء میں ہی کھل گیا تھا، روزنامہ ہندی دینک بھاسکر کے مطابق پونے، حیدرآباد، بنگلور، چنائی، راجستھان وغیرہ میں ایسے کم وبیش ۲۰ بینک زیادہ تر سرکاری اسپتالوں سے منسلک ہیں، ظاہر ہے کہ ان کا مقصد انسانی ہمدردی کم اور شاید تجارتی نقطہ نظر زیادہ ہو، جیسا کہ چائنا وغیرہ میں عورتوں کے دودھ سے اعلیٰ اور مہنگی قسم کی مٹھائیاں بنائے جانے کی خبروں سے ظاہر ہے۔

ماں کا دودھ بچے کے لئے قدرت کا ایک انمول تحفہ ہے، جس کا کوئی متبادل نہیں نیز شروع ہی سے ماں کا دودھ پینے والے بچے بہت سارے امراض سے جیسے موٹاپا، دائمی بخار، ہیپاٹائٹس بی، شوگر، بلڈ پریشر، سوکھا مسان وغیرہ سے محفوظ رہتے ہیں اسی لئے ماہرین صحت اور بچوں کے ڈاکٹر بطور خاص پہلے چھ مہینے میں بچے کو ماں کے دودھ پر رکھنے کا مشورہ دیتے ہیں کیوں کہ ماں کے دودھ میں دوسرے غذائی اجزاء کے علاوہ ۸۸/ فیصد پانی بھی پایا جاتا ہے جو بچے کی پانی کی ضرورت کو بھی پورا کرتا رہتا ہے، نیز بچے کی پیدائش کے پہلے تین

*جنرل سکریٹری مولانا آزاد ایجوکیشنل اینڈ میڈیکل آرگنائزیشن دہلی

سے پانچ دن کے وقفہ میں جو پیلا سا دودھ نکلتا ہے وہ بہت سارے مرضوں سے مدافعت کا ذریعہ ہے، جبکہ بوٹل کا دودھ بچوں کے لئے نت نئے مرضوں میں مبتلا کرنے والا ہے، ان ہی تمام فائدوں، جذبۂ رحم کی غرض یا پھر ہمارے بعض احباب کے مطابق اسلام مخالفت کی خفیہ سازش، انسانی نسب کو تہس نہس کرنے کی شاطرانہ چال کے تحت ہندوستان میں بھی دنیا کے دیگر ترقی یافتہ ملکوں کی طرز پر انسانی دودھ بینک کھولے جانے کا رواج تیزی سے بڑھ رہا ہے قطع نظر اس کے کہ ان بینکوں میں اپنا دودھ جمع کرانے والی خواتین کی صحت، مزاج اور نیچر واخلاق کیسے ہیں؟ یا ان کے دودھ سے ایک بچے پر دینی، اخلاقی اور سماجی کیا اثرات مرتب ہوں گے، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ جب اس بچے کی شادی بیاہ کا وقت آئے گا تو اس کا نکاح کہاں ہوسکتا ہے اور کہاں نہیں؟ اس اسلامی فلسفہ سے ان کو کوئی سروکار نہیں، جبکہ یہ حقیقت بھی ماہرین نفسیات کے یہاں مسلّم ہے کہ جیسا کھاوگے اَن ویسا بنے گا مَن۔

انسان ایک حیوان تو ضرور ہے مگر دوسرے حیوانات کی طرح مکمل طور پر اپنے معاملات میں خودمختار بھی نہیں بلکہ اس کے گلے میں اس کے پیدا کرنے والے مالک کے حکموں کا پٹّا بھی پڑا ہوا ہے، اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے یونیسیف (محکمۂ صحت) کی رپورٹ کے مطابق پڑوسی ملک میں روزانہ تقریباً ۵۰۰ بچے خوارک کی کمی کی وجہ سے اس لئے مرجاتے ہیں کہ ان کو ماں کا دودھ نہیں ملتا، اسی جیسے معاملات کو لے کر انسانی دودھ کے ذخیرہ (مِلک بینک) کا قیام عمل میں آرہا ہے، ویسے تجزیہ نگاروں کے مطابق پس پردہ ان ہیومن مِلک بینک کا اصل مقصد دنیا میں زنا اور اس کے نتیجہ میں پیدا شدہ حرام بچوں کی کثرت کو فروغ دینا، حوصلہ افزائی کرنا ہے، جیسا کہ ان کے دائرہ کار سے ظاہر ہے۔

یہ دنیا اب تجارتی اور کمیشن خور زیادہ بن گئی ہے جیسا کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی تو بنیاد ہی کمیشن اور نفع خوری کے مقصد پر ہے، چاہے کسی کا کچھ بھی نقصان ہو ان کو اس سے کچھ غرض نہیں، آپ کو یاد ہوگا کہ گذشتہ مہینوں ہندوستان کی وزیرِ خارجہ شریمتی سشما سوراج کے گردے کی خرابی اور اس کی تبدیلی کی خبر جیسے ہی اخبارات میں چھپی دیگر لوگوں کے علاوہ ہریانہ کے ایک معمولی کسان نے بھی ان کو اپنا گُردہ عطیہ کرنے کی پیش کش کر ڈالی، کیوں کہ اس کی سوچ کے مطابق نفع کا سودا تھا جب کہ آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ کتنے ہی غریب گردہ فیلیئر (جن کے گردے ناکارہ ہو چکے ہوں) بیچارے گردوں کی تکلیف سے مرجاتے ہیں مگر ان کے اہل خانہ وعزیز واقربا بھی ان کو اپنا گردہ عطیہ کرنے کی زحمت نہیں اُٹھاتے، جب کہ ایک رپورٹ کے مطابق ہمارے ملک ہندوستان میں ۱۷ ارفی صد لوگ گردوں کے مرض میں مبتلا ہیں اب ان حالات میں خواتین مِلک بینک کا قیام آپ

خود ہی غور کرلیں کہ کتنے خلوص و ہمدردی پر مبنی ہوسکتا ہے؟

آپ جانتے ہوں گے کہ عام طور پر ماں کو دودھ نہ اترنے، کم ہونے یا اس کی موت ہوجانے کی شکل میں بازار کا دودھ یا کسی رشتہ دار عورت کا دودھ بچے کو دیا جاتا رہا ہے مگر اب اس ضرورت کو ''ملک بینک'' کے ذریعہ پورا کیا جانے کا پلان ہے۔

معلوم ہو کہ نکاح حرام ہونے کے لئے اسلامی شریعت کی رو سے ایک رشتہ خون کا، دوسرا سسرالی اور تیسرا رشتہ دودھ کا بھی ہے، یعنی جس طرح آپس میں سگے ماں بیٹے، بہن بھائی، پھوپی بھتیجے، ماموں بھانجی، چچا بھتیجی، وغیرہ کا نکاح حرام ہے اسی طرح داماد ساس، بیوی کی زندگی میں اس کی بہن، پھوپی، خالہ، وغیرہ سے بھی مرد کا نکاح حرام ہے۔

تیسرا سبب نکاح حرام ہونے کے لئے دودھ کا رشتہ ہے، یعنی وہ عورتیں جن کا دودھ پینے کی وجہ سے نکاح حرام ہوتا ہے، اس میں تمام رشتے جو نسبی اور سسرالی ہونے کی وجہ سے حرام ہیں دودھ کی وجہ سے بھی وہ حرام رہیں گے، مطلب یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے بچے کو اس کے دودھ پینے کی عمر یعنی دو سال کی مدت میں اپنا دودھ پلا دیا تو وہ اس کی ماں اور بچہ اس کا بیٹا بن گیا اب کسی طرح بھی ان دونوں کا نکاح نہیں ہوسکتا، نیز اس عورت کا شوہر اس بچے کا دودھ شریک باپ بن گیا جس کی وجہ سے رضاعی ماں اور باپ کے تمام وہ رشتے دار اس بچہ کے لئے حرام ہوں گے جو سگے ماں باپ کی رشتہ داری کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔

یاد رہے کہ بچہ کی مدت رضاعت یعنی وہ عمر جس کو اس کے دودھ پینے کا زمانہ مانا جائے وہ دو سال ہے اور اکثر علماء نے دو ہی سال پر فتویٰ دیا ہے، حضرت ابن عباسؓ کا بھی قول نقل کیا گیا ہے کہ رضاعت وہ تسلیم کی جائے گی جو دو سال کے اندر ہو (تفسیر ابن کثیر)

اسی طرح دودھ پینے کی مقدار بعض احادیث میں دس، بعض میں پانچ حتیٰ کہ کچھ میں اس کی مقدار ایک دو ہی چسکی ہے، اور اس سلسلہ میں دس چسکیوں والی روایت (مسلم: ۳۰۵۱) کو منسوخ مانا گیا ہے، جبکہ پانچ (سنن ابی داؤد: ۲۰۵۸) والی پر بھی بعض مسالک کا عمل ہے، مگر اکثر علماء نے دو چسکیاں ہی مانی ہیں۔ جیسا کہ ی حرم من الرضاعة مایحرم من النسب (بخاری کتاب الشہادۃ) نیز یحرم من الرضاعة مایحرم من الولادۃ۔ (مسلم: ۱۴۴۴، بخاری: ۲۶۴۴)

نیز بخاری ہی میں ایک واقعہ عقبہ بن عامر صحابیؓ کا بھی ہے کہ ایک عورت نے اس سے کہا میں نے تم کو دودھ پلایا ہے تو آپ ﷺ نے عقبہ کے سوال کے جواب میں فرمایا ''دعھا'' اسکو چھوڑ دے۔

فقہانے یہ بھی لکھا ہے کہ جس طرح عورت کی چھاتی سے منہ لگا کر حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے اسی طرح بچہ کے منھ میں کسی طرح بھی عورت کا دودھ ڈالنے سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے، یا اسی طرح اگر کوئی چیز کھیر، دوائی وغیرہ کسی عورت کے دودھ میں پکالی گئی اور اس میں دودھ غالب رہا تب بھی یہی حکم ہے۔

مِلک بینک کے بجائے بے ماں کے بچہ یا دودھ سے محروم بچے کی رضاعت کے لئے پہلی رائے تو وہی ہے کہ دودھ پلانے کا انتظام خود اس کے سرپرست یا والدین کریں جیسا کہ قرآن میں ہے ''یہ کہ تم ان بچوں کو دودھ پلانے کا انتظام کرو'' اس کے علاوہ اگر کسی بچہ کے لئے کوئی سہولت دستیاب نہ ہوسکتی ہو تو ملک بینک چلانے والی NGO,s اور اداروں کو دودھ حاصل کرنے کے لئے باقاعدہ نیک شریف خواتین کا انتظام کرنا چاہیئے، ان کا دودھ حاصل کرنے والے آلات (breast pump) بھی مستقل علاحدہ (Disposable) ہوں جن سے ایک سے زیادہ عورتوں کا دودھ آپس میں خلط ملط نہ ہو، تاکہ حرمت رشتہ قائم اور باقی رہے، جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے ''تمہاری وہ مائیں جن کا تم نے دودھ پیا ہے ان سے نکاح حرام ہے''

اس کے لئے باقاعدہ رجسٹر میینٹین کئے جائیں جس میں جس بچے نے جس عورت کا دودھ پیا ہے اس میں ان دونوں کا پورا پورا بیورا ہو تاکہ ضرورت یا شکوک وشبہات کے وقت اس کی طرف رجوع کیا جاسکے، ورنہ یہ ملک بینک بجائے فائدے کے انسانیت کے لئے بری طرح مخرب اخلاق ثابت ہونگے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شادی بیاہ کے معاملہ میں انسان اور کتّے بلّیوں میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا، اور مجامعت کے معاملہ میں ماں بہن کی تمیز و پہچان بھی اٹھ جائے گی اور جب خدانخواستہ ایسا ہوگا تو پھر وہ دن دیکھنا پڑے گا جس کی طرف رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساڑھے چودہ سو برس قبل خبردار کیا تھا کہ ''جب زنا عام ہوگا تو ایسی ایسی بیماریاں جنم لیں گی جو لاعلاج ہوں گی''

ایڈز اس کی عام مثال ہے جو کہ پہلے پہل ۱۹۴۰ء سے ۱۹۵۰ء کے بیچ جانوروں سے انسانوں میں منتقل ہوا تھا۔ یونیسیف کے مطابق ۲۰۰۷ء میں ایڈز کے جان لیوا مرض میں ساڑھے تین کروڑ مرد، تین کروڑ عورتیں اور ماں باپ کے کالے کرتوتوں کے عوض ڈیڑھ کروڑ کے قریب بچے اس کی زد میں آچکے تھے۔

(بہ شکریہ ماہنامہ مظاہر علوم شمارہ اپریل ۲۰۱۷ء)

اصلاحِ معاشرہ (۲)

خودکشی؛ اسباب وعلاج

مولانا عبدالعلیم اطہر قاسمی*

کسی عزیز قریب کی موت، تجارت میں نقصان، قیمتی اشیاء اور روپیوں وغیرہ کی چوری بھی خودکشی کا باعث ہے کمزور دل ہی نہیں بلکہ بسا اوقات مضبوط دل سمجھے جانے والے بھی خودکشی کا ارتکاب کرتے ہیں، کتاب وسنت نے ایسے موقع پر بہترین رہنمائی کی صبر وشکیبائی کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ نعمت دینا اور لینا دونوں اللہ کے ہاتھ میں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ہم ضرور تم کو خوف، بھوک وقحط، مال وجان میں نقصان اور پھلوں میں کمی کرکے آزمائیں گے، پھر فرمایا نیک بندوں کی خوبی یہ ہے کہ وہ واویلا مچانے کے بجائے کہتے ہیں ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' بے شک ہم اللہ کے ہیں اور ہم کو بھی اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے، مرا ہوا انسان رونے سے واپس نہیں آتا بلکہ مسلمان سوچے کہ ایک نہ ایک دن مجھے بھی دنیا سے کوچ کرنا ہے، مرنے والے مومن عزیز سے ملنا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبت ونقصان کے لاحق ہونے پر اس دعا کے پڑھنے کا حکم دیا: اللھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیر امنھا اے اللہ میری اس مصیبت میں اجر عطا کر اور اس سے بہتر نعم البدل نصیب فرما، ایک موقعہ پر فرمایا: لا تمنو الموت تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے بلکہ یوں کہو: اللھم احینی ما کانت الحیوۃ خیراً لی وتوفنی اذا کانت الوفاۃ خیراً لی اے اللہ! جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہے زندہ رکھئے اور جس وقت موت ہی میں میری بھلائی ہے تو موت دیدیجئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی بیماری وکمزوری کو دور کرنے سے پہلے دعا اور دوا کو اختیار بھی کیا اور عملی تدابیر بھی بتلائیں۔

خودکشی سوسائیٹ یا آتما ہتھیا کے متعلق انسان غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ جان وزندگی کو ذاتی ملکیت اور حسبِ منشا وتصرف کو اپنا حق سمجھتا ہے، اسی طرح دوسروں کو قتل کرکے یہی گمان کرتا ہے کہ اس کی جان کو ختم کرکے ملکیت کا حق چھین لیا، حالانکہ اسلام تو یہ سکھاتا ہے کہ انسان کی جان وزندگی، صحت وتندرستی، مال ودولت، اور آبرو وعزت اللہ کی امانت ہے، ان کی حفاظت کرنا اور منشاءِ خداوندی کے مطابق استعمال کرنا ہی امانت کے جملہ

حقوق کو نبھانا ہے، حکم خداوندی کی مخالفت کرتے ہوئے زندگی وصحت سے لاپرواہی برتنا امانت میں خیانت ہے، انسانی جان کی قدر و قیمت اللہ کے نزدیک بہت بڑی ہے، اسی لئے دوسروں کی جان کی حفاظت کا حکم دیتے ہوئے قتل وخون سے روکا گیا اور کہا گیا کہ جس نے کوئی انسانی جان بغیر کسی شرعی سبب کے گنوادی گویا اس نے ساری انسانیت کا قتل کیا اور جس نے قتل سے روکا گویا پورے طبقۂ انسانیت کی حفاظت کی، بدلہ وقصاص کے احکام اتارے، جان کے بدلے جان لینے، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کی جگہ کان کاٹنے کا حکم دیا۔ دوسروں کے مال کی حفاظت کا حکم دیا، بغیر رضا ورغبت کے مال کے حصوں کو کبھی سود کا نام دیا تو کبھی رشوت کا، اور دونوں پر عذاب کی وعید سنائی، وربلا اطلاع محفوظ مال پر ہاتھ ڈالنے کو سرقہ (چوری) کہا اور قطعِ ید کی سزا بیان کی اوروں کی عزت وآبرو کی حفاظت کا حکم دیتے ہوئے غیر واجبی طریقہ سے کسی پاکدامن پر الزام وتہمت لگانے کی سزا (۸۰) اسی کوڑے مقرر فرمائے تجسس سے روکا، غیبت وچغلی سے منع کیا، یہ تو دوسروں کی جان ومال کی عزت وآبرو کے متعلق قوانین تھے، خود کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت وبقاء کو بھی ناگزیر قرار دیا، اور تفصیلی احکامات سے نوازا، عزتِ نفس کی بقا کے متعلق فرمایا: اتقوا مواضع التهم، تہمت والی جگہوں سے بچوں، خود کی کمائی ہوئی دولت کو بے جا خرچ کرنے سے روکا ''کلوا واشربوا ولاتسرفوا'' کھاؤ، پیو، ہاں اسراف نہ کرو، دوسرے مقام پر فرمایا: ان المبذرین کانوا اخوان الشیٰطین، بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، کسی جانور یا انسان کی جانب سے تکلیف وایذا پہونچنی کی یقینی صورتِ حال کے متعلق فرمایا: قتل الموذی قبل الایذاء کسی موذی جانور کی ضرر رسانی سے پہلے اس کو ختم کردو

کتاب وسنت میں ایسے بے شمار احکامات ملتے ہیں جس میں جسم وجان کی حفاظت وبچاؤ کا تاکیدی حکم دیا اور فرائض سے پہلے حیات وصحت کی بقاء کو مقدم رکھا گیا۔

کلمۂ کفر کو نکالنا بلاشبہ ایمان سے پہلے ہاتھ دھوبیٹھنا ہے لیکن اگر کسی بندہ مؤمن کو کفریہ جملے بکنے پر مجبور کیا جائے نہ ادا کرنے کی صورت میں قتل کی دھمکی دی جائے تو جان بچانے کی خاطر دل میں ایمان رکھتے ہوئے زبان سے کفریہ الفاظ ادا کرنے کو جائز قرار دیا گیا۔ الامن اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان

جہاد کا مطلب ہی راہ خدا میں جان کی بازی لگانا اور قربانی دینا ہے، قرآن وحدیث میں جہاد پر ابھارا گیا اور شہادت کی فضیلتیں بیان کی گئیں، اس کے باوجود جب میدانِ جہاد میں دشمن کی فوجیں برسرپیکار ہوں اور نماز کا وقت ہوجائے اور تمام مسلمان مجاہدین کے ایک ہی امام کے پیچھے نماز ادا کرنے میں دشمن کا خوف ہو تو فوج کو دو حصوں میں کرنے کا حکم دیا، ایک حصہ امام کے پیچھے دو رکعات والی نماز میں ایک رکعت اور چار رکعات والی نماز

میں دو رکعت ادا کرے اور دوسرا حصہ دشمن سے بچاؤ وحفاظت کا کام کرتا رہے جب پہلا حصہ متعینہ رکعات ادا کر چکے تو ہتھیار لے کر محافظ دستہ کی جگہ آئے اور محافظ دستہ امام کی اقتداء میں نماز ادا کرے، فقہ کی کتابوں میں صلوۃ الخوف کے نام سے مشہور ہے۔

اسلام میں حلال رزق حاصل کرنے پر زور دیا گیا، حضرات انبیاء کو بھی تاکیدی حکم فرمایا: يَآأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ط نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال حرام سے پلنے والے جسم کو دوزخ کا حقدار بتلایا اور عبادت کے غیر مقبول ہونے کی وعید سنائی، قرآن نے حلال وحرام ماکولات ومشروبات کے اصول بیان فرمائے اور چند جگہوں پر صراحۃ حرام اشیاء کو گنوایا اور ان سے احتراز کی تاکید کی لیکن فوراً بعد فرمایا اگر کوئی اس قدر مجبور ولاچار ہو کہ حرام شئی کے علاوہ حلال چیز ملنا مشکل ہو جائے اور حرام شئی نہ کھانے کی صورت میں جان جانے کا اندیشہ ہو تو وقتی طور پر حرام اس کے لیے حلال ہو جاتا ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ط روزہ سال بھر میں صرف ایک مہینہ فرض ہے اسلام کے پانچ بنیادوں میں رمضان کے روزوں کو بھی شمار کیا گیا، اور اللہ نے اس کی فرضیت کا حکم كُتِبَ عَلَيْكُمْ کے لفظ سے دیا، لیکن اس کے بعد والی آیت میں فرمایا: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ط یعنی اگر اس ماہ میں تم کو ایسا مرض لاحق ہو گیا کہ روزہ کی صورت میں جان جائے یا مرض میں مزید اضافہ کا خطرہ ہو یا سفر میں ہو اور تھکاوٹ پیدا ہو سکتی ہو تو بعد میں قضاء کرو اگر بعد میں قضاء کرنے سے بھی ناامید ہو جائے تو فدیہ کے ذریعۂ تلافی، تیمم کے مسائل پر غور کیجئے کہ پانی استعمال کرنے سے نئی بیماری کے پیدا ہونے یا موجود مرض میں زیادتی ہونے کا امکان ہو تو وضو وغسل کی جگہ پاک مٹی کے ذریعہ پاکی حاصل کر کے صحت وزندگی بچانے کا حکم دیا۔

جان بچانے کی خاطر عبادت جیسے اہم فرائض میں سہولیات وتخفیظات دی گئیں، تو بھلا انسان کو کیسے اختیار ملے گا کہ وہ خود ساختہ معیارات کے حصول میں ناکامی کے سبب جان گنوا بیٹھے؟

افاداتِ اکابر

غصہ کا نقصان عظیم

افادات حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ

پیش کش: حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب مدظلہ *

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جہاں اور چیزیں پیدا کیں ہیں بنائی ہیں اس میں سے ایک غصہ بھی ہے۔ غصہ ایک فطری چیز ہے جس کو غصہ والی بات پر بھی غصہ نہ آئے اس کو حمار سے تعبیر کیا گیا ہے، کیوں کہ اس کو غصہ نہیں آتا۔ ہاں بے جا غصہ کرنے کی احادیث میں سخت مذمت آئی ہے۔ بے جا غصہ کی وجہ سے خاندان کے خاندان تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ بے غصہ کی وجہ سے بھائی بھائی میں لڑائی تک کی نوبت آجاتی ہے، بے جا غصہ کی وجہ سے شوہر بیوی میں دوری آجاتی ہے۔

اسی سلسلہ میں آج احقر حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی قدس سرہٗ کی کتاب جواہر الحکم حصہ اول سے غصہ کے عظیم نقصان کے عنوان سے ایک حدیث شریف سنانا چاہتا ہے، دعاء ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ احقر کو اور احقر کی اولاد کو اور احباب کرام کو اور تمام امت مسلمہ کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

عن بهز بن حكيم رضی اللہ عنہ عن ابيه عن جده قال قال رسول الله ﷺ اِنَّ الغضَبَ لَيُفْسِدُ الاِيْمانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ

حضرت بہز بن حکیمؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں اور وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ غصہ ایمان کا مزہ اس طرح بگاڑ دیتا ہے جیسے ایلوا (ایک سخت کڑوی دوا ہے) شہد کا۔

شرح: شہد کی مٹھاس دنیا جانتی ہے لیکن یہ بات صرف انبیا بتاتے ہیں کہ ایمان بھی مٹھاس رکھتا ہے اور شہد سے کہیں زیادہ مٹھاس رکھتا ہے۔ شہد کھانے والے شہد چھوڑ سکتے ہیں لیکن جو ایمان کا مزہ چکھ لیتا ہے وہ ایمان کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا بلکہ اس کا چھوڑنا اس کے نزدیک جل کر خاک ہو جانے سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔

* نائب ناظم مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی

اب سوچئے کہ اس کو کون جان سکتا ہے کہ جو چیز اتنی میٹھی ہو اس کا مزہ خراب بھی ہوسکتا ہے اور جس چیز سے خراب ہو جاتا ہے وہ چیز کیا ہے۔ یہ بات صرف انبیا بتاتے ہیں کہ ایمان کی مٹھاس ذرا سی بات سے خراب بھی ہو جاتی ہے یعنی غصہ سے۔

عام آدمی صرف غصہ کی کڑواہٹ سے واقف ہے اسی لئے جو آدمی زیادہ غصہ والا ہوتا ہے اس کو کڑوے مزاج کا آدمی کہا جاتا ہے۔ یہ صرف انبیاءؑ ہیں جو بتاتے ہیں کہ غصہ صرف انسان کو کڑوا نہیں کرتا بلکہ ایمان کو بھی کڑوا کر دیتا ہے۔ یہاں غصہ سے مراد وہ غصہ ہے جو اپنی خواہشِ نفس کے لئے ہو، رہا وہ غصہ جو دین اور شریعت کی خاطر ہو وہ حلاوتِ ایمانی کا تقاضہ ہے اور اس کی حلاوت کو اور دوگنا اور زیادہ کرتا ہے۔

عالم میں آج الحمدللہ کہ مومنوں کی تعداد بہت ہے لیکن وہ کم ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کی مٹھاس بھی چکھی ہو جس کا تذکرہ اس حدیث میں ہے اور وہ لوگ جنہوں نے اس مٹھاس کو چکھ لیا ہو اور اس کو غصہ کی تلخی سے بچائے رکھا ہو ان کی تعداد اور بھی کم ہے۔

وہ کم ہیں تڑپنے میں جنہیں آتی ہو لذت
اور یوں تو آپ کی شمشیر کے گھائل بہت ہیں

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بے جا غصہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے! آمین۔

(بقیہ صفحہ ۴۷ سے)

جو دنیا کے لیے نہیں جیتے؛ بل کہ آخرت کے لیے جینے کا ہنر جانتے ہیں، دنیا کی ساری دولتیں آپ کے قدموں میں تھیں؛ لیکن اس کی طرف التفات ذرہ برابر بھی محسوس نہیں ہوتا تھا، سہارن پور میں جو ذاتی مکان تھا اُس میں رہنے کی نوبت بھی نہ آئی اور اُسے مدرسہ مظاہر علوم (وقف) کے نام وقف کر دیا، اور ذمہ دارانِ مدرسہ نے بھی اس کی ایسی قدردانی کی کہ اس میں ''مدرسۃ الشیخ یونس لتحفیظ القرآن الکریم'' کے نام سے حفظ قرآن کا ایک شعبہ قائم فرما دیا، جس نے شیخ مرحوم کے لیے صدقات جاریہ میں ایک عظیم نام کا اضافہ کر دیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ وأسکنہ فسیح جنانہ مع النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین، وحسن أولئک رفیقًا۔

نقوشِ رفتگاں

باتیں اُن کی یاد رہیں گی

بروفات حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب جون پوریؒ

مولانا محمد عفان منصور پوری*

محدث دوراں، اپنے فن کے امام، عالم بے بدل اور صحیح معنوں میں فنافی العلم حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب جونپوری نوراللہ مرقدہٗ وبرداللہ مضجعہ نظام قدرت کے مطابق ہزار ہا ہزار تشنگانِ علوم کو اپنے چشمۂ فیاض سے سیراب کرنے کے بعد ۱۶ر شوال ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۱ر جولائی ۲۰۱۷ء بروز منگل اپنے رب سے جا ملے۔ انا اللہ و انا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ میں شریک علماء وعوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر حضرت شیخ کے مقبول عنداللہ وعندالناس ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔ ماضی قریب میں حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ کے بعد سب سے زیادہ مجمع شیخ کے جنازے میں ہی دیکھنے کو ملا۔

واقعہ یہ ہے کہ جو شخص اپنی زندگی کو رضاء الٰہی کے حصول کی خاطر تج دیتا ہے پروردگار بھی اس کو ایسا چمکاتا ہے کہ دنیا رشک کرتی رہ جاتی ہے، آپ نے تحصیل علم اور پھر تبلیغ وتشریح دین کے لیے اپنے آپ کو ایسا وقف کیا کہ پھر دوسری چیزوں کی طرف مڑکر بھی تو نہ دیکھا، جب بھی آپ کے حجرے میں جانے کا اتفاق ہوا مطالعہ میں منہمک، کتابوں پر جھکے ہوئے، کچھ لکھتے ہوئے، لکھاتے ہوئے یا علمی گفتگو کرتے ہوئے پایا۔ زبان حال سے آپ یہی کہتے رہے:

ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا
مریں گے ہم کتابوں میں ورق ہوگا کفن اپنا

خلاقِ عالم نے آپ کو ایک ایسی پُرکشش، بارعب اور جاذبِ نظر شخصیت کا حامل بنایا تھا کہ جو دیکھے دیکھتا ہی رہ جائے، شناسا اور جان پہچان کے لوگ تو مرعوب اور متأثر ہوتے ہی تھے، اَنجان لوگوں کی نگاہ بھی جب چہرہ پر پڑتی تو ایک دوسرے کی جانب سوالیہ نگاہ ڈالتے اور معلوم کرنے کی کوشش کرتے کہ یہ ذات والا صفات کون ہیں؟ زیارت وملاقات کرکے دعا لینا اپنے لیے سعادت تصور کرتے۔

*استاذِ حدیث جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

علمی قابلیت، تدریسی لیاقت، تحقیقی صلاحیت اور عملی مقبولیت آپ کی مسلم تھی، مزاجاً اگرچہ بالکل نرالے، بہت نازک اور صاف گو واقع ہوئے تھے، جو محسوس کرتے اُس کو فوراً بغرضِ اصلاح زبان پر لے آتے، چاہے مخاطب کو اچھا لگے یا برا؛ لیکن اُن کا یہی انداز دوسروں سے ممتاز کرنے والا اور لوگوں کی گرویدگی کا سبب بن جاتا تھا۔

طالبِ علمی کے زمانے ہی سے حضرت شیخ کی خدمت میں گاہے بگاہے حاضری ہوتی رہتی، حد درجہ تعلق کا معاملہ فرماتے، بڑی بشاشت کے ساتھ گفتگو فرماتے، تنبیہ بھی کرتے اور نصیحتیں بھی فرماتے، ایک مرتبہ فرمایا: ''مطالعہ بڑی گہرائی و گیرائی کے ساتھ کیا کرو سرسری اور کام چلاؤ مطالعہ کا مزاج مت بناؤ ورنہ سہل پسندی کے عادی بن جاؤ گے۔''

ایک مرتبہ حاضری ہوئی معمول کے مطابق مطالعہ میں مشغول تھے، احقر سلام کر کے بیٹھ گیا، آپ نے ہلکے سے جواب دیا اور سر نیچے کئے کئے پوچھا کون؟ میں نے کہا: ''عفان'' کچھ دیر بعد سر اُٹھایا اور بہت تڑک کر بولے ''چل بدبودار کہیں کے'' کس نے تیرا یہ نام رکھا ہے۔ احقر سہم گیا اور عرض کیا حضرت! نام میں کیا خرابی ہے؟ فرمایا: ''جا! دیکھ لغت میں ''عفن'' مادہ کے کیا معنی ہیں؟ احقر نے عرض کیا: ''حضرت عفان میں تو ''الف نون'' زائد ہے، مادہ کا نہیں ہے۔ اس کا مادہ تو ''عفّ'' ہے جس کے معنی ''پاک دامنی'' کے ہیں۔ یہ سن کر بہت ہنسے اور فرمایا ''اپنا نام صحیح کرنے کے لیے جس کو چاہو زائد مان لو''، پھر فرمایا: ''تیری تحقیق صحیح ہے میں تو دیکھ رہا تھا کہ تو اپنے نام کی حقیقت سے بھی واقف ہے یا نہیں''۔

۱۹۹۹ء میں ختم مسلسلات کے موقع پر مظاہر علوم جانا ہوا اور حضرت کے درس میں شرکت کا موقع ملا، احقر کی خوش نصیبی اور حضرت کی توجہ کہ شروع ہی میں فرمایا: ''چل عفان؛ تیز پڑھ'' پھر تو مسلسلات کا معتد بہ حصہ پڑھنے کا موقع ملا۔

اگلے سال پھر ملاقات ہوئی، فرمایا کہ اِس سال تو مسلسلات میں نہیں آیا، احقر نے عرض کیا: ''حضرت میں تو پچھلے سال پڑھ چکا'' تو خاموش ہو گئے۔ حضرت کے اس سوال کی وجہ سے آئندہ سال پھر ختم میں شرکت کے لیے حاضری ہوئی، تو غایت شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پھر عبارت خوانی کا حکم فرمایا۔

مدینہ منورہ میں ایک موقع پر حضرت والد صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی معیت میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری ہوئی، ساتھ کھانا کھایا، دیر تک بیٹھنا ہوا، چلتے وقت والد صاحب کو مخاطب کر کے احقر کے سلسلے میں فرمانے لگے ''اس احمق سے کہا تھا کہ ایک سال میرے پاس رہ لے، اس نے کوئی توجہ ہی نہیں دی۔''

کئی سال پہلے کا واقعہ ہے کہ مسجد نبوی کے قدیم حصہ میں حضرت کے ساتھ نماز مغرب پڑھنے کا اتفاق

ہوا۔فرض سے فارغ ہونے کے بعد سنتوں میں قراءت طویل ہوگئی، سلام پھیرنے کے بعد حضرت شیخ نے پوچھا:''اتنی دیر تک سنتوں میں تم نے کیا پڑھا؟'' میں نے عرض کیا:''حضرت بالترتیب قرآن کی تلاوت کی۔'' فرمایا:''سنتیں مختصر پڑھا کرو، فجر ومغرب کی سنتوں میں سورۂ کافرون، اور سورۂ اخلاص یا اس کے بقدر تلاوت بہتر ہے اور یہی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول رہا ہے۔ ہاں! نوافل میں جتنی قراءت کرنا چاہو کرو کوئی تحدید نہیں ہے۔

تین سال پہلے کی بات ہے مسجد نبوی میں حضرت سے ملاقات ہوئی فرمایا:''عشاء کے بعد میرے کمرے پہ آنا'' احقر نے پوچھا:''حضرت کہاں قیام ہے؟'' آپ کے خادم مولانا یونس صاحب گجراتی نے پتہ بتا دیا ''باب مجیدی'' کے سامنے''بن لادن'' کی عمارت میں حضرت کا قیام تھا، احقر عشاء کے بعد قیام گاہ پہنچ گیا، بہت سے لوگ موجود تھے، کچھ عرب علماء بھی تھے جن سے حضرت بات چیت کررہے تھے، کچھ دیر میں وہ لوگ چلے گئے تو کھانے کے لیے دسترخوان لگایا گیا، اپنے قریب بٹھا کر کھلایا، بڑی خاطر مدارات کی، خدام لقمہ بنا بنا کر آپ کے منہ میں ڈال رہے تھے جو چیز پسند آتی فرماتے:''اِس کی پلیٹ میں بھی نکالو'' کھانے کے بعد دیر تک روکے رکھا۔ احقر نے ایک دفعہ اجازت بھی چاہی تو فرمایا:''کیا جلدی پڑی ہے، چلے جانا'' حضرت مدنی علیہ الرحمہ اور دیگر بزرگانِ دین اور اپنے ابتدائی اَساتذہ کے واقعات واَحوال سناتے رہے۔ جب نیند کا غلبہ ہونے لگا تو جانے کی اجازت دی۔ چلتے وقت بہت شاندار عطر کی بڑی شیشی اور کئی عربی کتب عنایت فرمائیں اور بڑی محبت سے ارشاد فرمایا''روز آجایا کر''۔

حضرت مدنی علیہ الرحمہ سے عقیدت

بہت کم ایسا ہوا کہ شیخ کی خدمت میں جانا ہوا ہو اور آپ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کا تذکرہ دیر تک بڑی والہانہ عقیدت کے ساتھ نہ کیا ہو۔

بارہا یہ فرمایا کہ سب سے پہلے جس شخصیت کی عظمت وبزرگی کی دھاک میرے دل پر بیٹھی وہ حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی شخصیت تھی۔ اپنے بچپن کے واقعات سنایا کرتے تھے کہ ہمارے علاقہ میں جب ایک مرتبہ حضرت مدنی علیہ الرحمہ تشریف لائے تو پورا گاؤں اور آس پاس کا علاقہ حضرت کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑا، بڑا مجمع بیعت ہوا اور لوگوں کی گرویدگی اور فدائیت قابل دید تھی، مرد تو مرد عورتیں اور بچے بھی مسرور اور نئے کپڑوں میں ملبوس دکھائی دے رہے تھے، مانو عید کا سا سماں تھا، علاقہ کے لوگوں میں کسی شخصیت کی آمد پر یہ جوش وخروش و وارفتگی میں نے شعور سنبھالنے کے بعد پہلی مرتبہ دیکھی تھی، اسی دن سے حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی عظمت کا سکہ

ایسا بیٹھا کہ اس میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ ان واقعات کو ایسی محبت اور عقیدت کے ساتھ ذکر فرماتے کہ بارہا آواز بھرّا جاتی اور سننے والوں کی آنکھیں بھی بھیگ جاتیں۔

وفات سے ایک ہفتہ قبل ۹ رشوال ۱۴۳۸ھ بروز پیر بعد نمازِ مغرب برادر بزرگوار حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری کی معیت میں مظاہر علوم سہارن پور میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری ہوئی، ضعف و کمزوری کے باوجود بڑے تپاک سے ملے، مختلف نصیحتیں فرمائیں، بڑے دلچسپ انداز میں اپنے اساتذہ اور حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے واقعات ذکر کئے۔ حسن اتفاق کہ احقر نے اس مجلس کی گفتگو کو ٹیپ کرلیا، جس کے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں:

فرمایا: ''تمہارے نانا کی برکتیں بھی عجیب تھیں، میں گزر رہا تھا گجرات میں ایک گاؤں سے، وہاں کے آدھے لوگ حضرت سے مرید ہوگئے؛ سب سنی ہیں، اور دوسرے آدھے نہیں مرید ہوئے؛ سب بدعتی رہے۔ عجیب بات تھی جتنے مخالف تھے کانگریس کے حضرت کے حق میں سب ٹھیک تھے۔ حضرت میں کیا خوبی تھی؛ کیوں نہیں بولتا تھا کوئی؟ یہ ان کا اخلاص تھا۔ یہ سب باتیں ابا سے میں نے صراحتاً سنی ہیں۔

ہمارے ماموں تو حضرت کے اتنے معتقد تھے کہ جب آپ جیل چلے گئے تو بہت متأثر ہوئے اور کہنے لگے ''انگریز لوگ ڈبہ میں بند کر کے حضرت کو بھیج دیئے'' ایک دن ماموں نے کہا: ''جانت ہے کا ہے مولانا مدنی کو مولانا مدنی کہت ہیں، اٹھارہ سال اپنی ڈاڑھی سے حضور کی قبر کا جھاڑو دہن ہیں''۔ پتہ نہیں کہاں سے سنا ہوگا؟ ہم چھوٹے چھوٹے تھے۔ اتنا معتقد حضرت مدنی کے کہ کوئی حد نہیں۔ یہ بھی حضرت کی برکت تھی کہ سب اختلافات حضرت پر آکر اخیر میں ختم ہوگئے تھے۔ نہ وہاں لیگ کا جھگڑا تھا نہ کانگریس کا مولانا مدنی جدھر ہیں وہی ٹھیک ہے۔

فرمایا: تیرے نانا میں وہ خوبی تھی کہ جس کی وجہ سے دنیا اُن کو مانتی تھی، حد سے زیادہ اخلاص ان کے اندر پایا جاتا تھا۔ کسی سکھ کی طرف سے کان پور میں ایک شکایت ہوئی مولانا مدنی کی کہ یہ نماز فجر کی قنوت میں ''والسک والمشرکین' کہتے ہیں تو کلکٹر نے کہہ دیا وہ فوق القانون ہیں، مطلب یہ کہ سب ڈرتے تھے اُن سے، وہاں کسی کی چلتی ہی نہیں تھی؛ کیوں کہ سب نے دیکھا اور سنا تھا کہ انگریز فوج کے سامنے اسٹیج پر شیروانی کا گریبان کھول کر کون چڑھا تھا؟

ان کی قوتِ باطنیہ بہت زیادہ قوی تھی، کوئی سر نہیں اُٹھاتا تھا۔ انوار کریم کہتے تھے کہ حضرت کی گاڑی میرٹھ میں فسادیوں نے گھیر لی۔ حضرت مراقب تھے، کسی نے کہا حضرت گاڑی گھر گئی ہے۔ فرمایا ''آئیں'' پھر

کسی نے کہا: حضرت لوگوں نے گاڑی کا گھیراؤ کرلیا ہے۔ تو انوار کے الفاظ ہیں: حضرت نے دروازہ کھولا اور فرمایا: ''میں ہوں حسین احمد، آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟ یہ کہنا تھا کہ سب بھاگ گئے''۔

فرمایا: میں نے ایک مرتبہ حضرت اقدس شیخ سے پوچھا کہ حضرت اقدس تھانویؒ اور حضرت اقدس مدنیؒ میں کیسا اختلاف تھا؟ فرمایا: اُن بزرگوں میں کوئی ایسا اختلاف نہیں تھا، چھٹ بھیوں نے اڑا رکھا تھا۔ حقیقت یہی تھی۔ کسی نے حضرت اقدس تھانویؒ کے ایک مرید کے بارے میں لکھا کہ ان کی کتاب نہیں چلی۔ حضرت مدنی نے جواباً لکھا: ''انھوں نے اپنے پیر حضرت اقدس تھانویؒ کی بے ادبی کی ہے، یہ اس کا نتیجہ ہے''۔

فرمایا: حضرت بہت محقق آدمی تھے، اور اللہ تعالیٰ نے ان میں بہت برکت رکھی تھی۔ یہ خاص چیز تھی حضرت اقدس مدنی اور حضرت اقدس رائے پوریؒ میں اس آخری زمانہ میں، بس ان دو بزرگوں پر اختتام ہوجاتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ان میں نفس نہیں تھا۔ اس کی پہچان کیا ہے؟ اُن کے یہاں یہ نہیں تھا کہ سلمان آیا تو رعایت کردی، عفان آیا تو رعایت کردی، دوسرا گیا تو نہیں کی، یہ انھیں دو بزرگوں کی خصوصیت تھی۔ خاندان واندان کی رعایت کچھ نہیں جو سچی اور صحیح بات تھی وہ کہہ دی۔

فرمایا: سال کے اخیر تک جب تک حضرت بول سکتے تھے خود ہی عبارت پڑھتے تھے، شیخ فرماتے تھے کہ تعجب ہوتا ہے کہ قسطلانی سے متن پڑھتے تھے اور مسلسل پڑھتے چلے جاتے تھے۔ قسطلانی کی تخصیص کیوں کی تھی؟ حضرت کی رائے یہ تھی کہ یہ دونوں شرحوں ''عمدۃ القاری'' اور ''فتح الباری'' کے اصل مضمون کا اجتماع ہے۔ یہ کیسے راز معلوم ہوا؟ شیخ نے پوچھا تھا حضرت مدنی سے جب کہ آپ نوعمر تھے اور تدریس بخاری کا آغاز تھا، تو حضرت مدنی نے یہ سبب بتایا تھا، میں نے زبانی یہ لفظ حضرت شیخ سے سنا ہے۔ پھر ہنستے ہوئے فرمایا: ''جانا لائق! میں نے یہ راز کھول دیا۔''

بچوں کی تربیت

بھائی صاحب (مفتی محمد سلمان صاحب) نے عرض کیا: ''حضرت! ان بچوں کے لیے دعا فرمادیجئے (ساتھ میں بھائی صاحب کے دو فرزند حافظ محمد عمر سلمہ، حافظ محمد عدی سلمہ اور فقیر زادہ محمد ہشام سلمہ تھے)

فرمایا: ''سختی، بالکل مت کرنا اور غفلت بھی نہ کرنا۔ تعلیم کے باب میں ہماری نانی صبح جیسے ہی ہمیں دیکھتیں بڑے زور سے کہتیں ''مدرسہ جاؤ''۔ باپ تو کرے نرمی اور ماں کرے سختی یا اس کا الٹا ہو۔ جیسے حافظ عبدالحئی علیہ الرحمہ گھر والے چھوٹا کمپنی کو ڈراتے تب کہتے ''اَبا آوت ہیں'' یہ لفظ سنتے ہی پورا گھرانا ٹوٹ پڑتا تھا اُن پر، اُن کا رعب بے انتہاء تھا، اُن کا ہر نواسہ نواسی، پوتا، پوتی، نیز بیٹا، بیٹی سب سات سال میں حافظ ہوگئے، صرف

دو بچے تھے جو گیارہ سال میں ہوئے۔ یہ کمال ہی تھا معلوم نہیں کہاں سے وہ درک فرما لیتے تھے کہ اس کے لیے تسہیل کا کیا طریقہ ہے۔ دیگر حافظ جی صاحبان کی طرح زیادہ نہیں مارتے تھے۔ میں نے اُن سے قاعدہ بغدادی پڑھا تھا، دو دن سبق نہیں سنایا جو سبق نہیں سناتا تھا پیٹا جاتا تھا۔ میں چھ سال کا تھا، فرمایا: ہاتھ پھیلاؤ، دوسرا پھیلاؤ بس ایسے مارا کہ ہاتھ گرم ہو گیا۔ اور گرم ہو کے ٹھنڈا ہو گیا۔ یعنی بچہ کو احساس تو ہو جاتا تھا مار کا؛ لیکن وہ احساس باقی نہیں رہتا تھا، نشان وغیرہ تو پڑتا ہی نہیں تھا۔ یہ تمہارے نانا جان سے بیعت تھے، اور بہت آگے نکل گئے تھے۔ جب جنازہ اُٹھا تو لوگوں کا ہجوم بے حساب تھا، بانس پہ بانس باندھے جا رہے تھے اور لوگوں کو کاندھا نہیں مل پا رہا تھا۔

حضرت کا یہ جملہ تھا کہ ''میں پتھر کو بھی پڑھا دوں'' پورا علاقہ حافظ ہو گیا تھا اور پورا علاقہ اُمڈ پڑا تھا۔ ہم لوگ نہیں گئے، اگر جاتے تو کچل جاتے، ایسی زبردست برکت دی تھی۔ لیکن تمہارے نانا کی برکت کیا تھی؟ یہ بہت بڑے عامل بھی تھے حافظ عبدالحئی، کوئی کیس بھی ناکام نہیں ہوا سحر کا ہو یا جن کا؛ لیکن مولانا حسین احمد مدنی کے دست مبارک میں ہاتھ دیا اور فوراً سب چھوڑ دیا۔ جنوں کی جماعت سے عہد لیا جو اُن کے قبضے میں تھے، نیک بچوں کو نہ ستانا قسم لی اور انھیں چھوڑ دیا۔

بصیرتِ علمی

حضرت شیخ کے ناصحانہ جملے بڑے نپے تلے اور جامع ہوا کرتے تھے، زبان بڑی شستہ وشائستہ اور انداز بڑا دل پذیر تھا، حافظہ تو غضب کا تھا، مختلف کتابوں کی عربی عبارات ازبر تھیں، استشہاد کے طور پر کوئی عبارت پیش کرتے، تو ایسا محسوس ہوتا جیسے کتاب سامنے ہو یا ابھی دیکھ کر آئے ہوں، عربی زبان کا بھی بآسانی تکلم فرماتے اور اپنے عرب شاگردوں اور استفادہ کرنے والے علماء کو دیر تک عربی زبان میں سمجھاتے رہتے۔

فن حدیث تو آپ کا میدان تھا ہی؛ لیکن فقہ وفتاویٰ تفسیر واُصول تفسیر اور دیگر علوم شرعیہ میں بھی آپ کو رسوخ وکمال حاصل تھا۔ حدیث وفقہ، تفسیر وسیرت کے سلسلہ میں مختلف علمی سوالات کے جو بصیرت افروز تحقیقی جوابات آپ نے قلمبند فرمائے ہیں، اس سے آپ کی وسعت علمی، تبحر اور عمق کا اندازہ ہوتا ہے۔ خود فرماتے تھے کہ جب میں شرح وقایہ پڑھاتا تھا جو تدریس کا دوسرا سال تھا، جب سے میں نے جوابات لکھنے شروع کیے ہیں۔ علمی جوابات کا یہ ذخیرہ ''نوادر الحدیث'' اور ''نوادر فقہ'' اور ''الیواقیت الغالیہ'' کی شکل میں مرتب ہو کر منظر عام پر آ گیا ہے، جسے مولانا محمد ایوب سورتی اور مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی نے حضرت ہی کی ایماء پر مرتب فرمایا ہے۔

آخری ملاقات میں حضرت شیخ نے برادر محترم مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری سے غالباً اسی مجموعہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''میرے فتاویٰ ایک بار دیکھ ڈالنا اگر زندگی میں کوئی کمی سامنے آجائے گی تو اُس کو ممکن حد تک صحیح کیا جاسکتا ہے۔'' یہ آپ کی تواضع اور کسر شان نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی ضمن میں دوسری تحریرات کے سلسلہ میں فرمایا: ''تراجم پر جو لکھا گیا وہ مذہب نہیں ہے یعنی ہم نے کسی مذہب کی اس میں رعایت نہیں کی، کتاب کے اندر جو کچھ ہے بس اس کی ایضاح وتفصیل ہے؛ تاکہ پڑھتے وقت الجھن طاری نہ ہو۔ اس بات کو سامنے رکھنا کہ حنفیت کی رعایت نہیں کی فلاں کی نہیں کی، درست نہیں، کسی کی بھی نہیں کی، ہم نے صرف مؤلف کی رعایت کی ہے۔

پھر فرمایا: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سائے کے بارے میں جو تفصیل لانی چاہئے تھی باقاعدہ طریقہ پر لائی گئی ہے؛ تاکہ تم جیسے بدعتی صوفیوں اور نالائقوں کی تردید ہوجائے''۔

یہ کہہ کر مسکرائے اور فرمایا: ''تم لوگ تو بدعتی نہیں ہو، یہ تو مزہ لینے کے لیے خواہ مخواہ کی چٹنی لگادی'' پھر بڑے درد کے ساتھ فرمایا: ''تمہارے نانا جان کی کوئی اَولاد بدعتی نہیں ہے، وہ تو جہاں سے گزر جاتے تھے بدعت کا خاتمہ ہوجاتا تھا''۔

تواضعانہ شان

ہم تو یہ سوچ کر گئے تھے کہ اگر حضرت شیخ سے فقط زیارت وملاقات اور مصافحہ ہوجائے گا تو بھی کافی ہوگا اور جانے کے بعد شروع میں لگ بھی ایسا ہی رہا تھا، ہم جب حجرے میں داخل ہوئے، تو آپ مصلیٰ پر تشریف فرما تھے، اور نوافل میں مشغول تھے، اور قریب میں بیٹھے ہوئے خادم پنکھا جھل رہے تھے۔ تقریباً دس منٹ تک ہم خاموش بیٹھے دیکھتے رہے، اس کے بعد آپ نے پوچھا کون ہے؟ تب تعارف ہوا۔ رفتہ رفتہ بشاشت آئی اور پھر سلسلہ کلام کافی دراز ہوگیا۔

اخیر میں رخصت کرتے وقت خلافِ معمول فرمایا: ''کبھی ڈانٹا کہا سنا ہو معاف کرنا، معاملہ صاف ہونا چاہئے، میں چاہتا ہوں ایسے جاؤں کہ کسی کا مطالبہ میرے سر نہ رہے''۔

کیا معلوم تھا کہ حضرت اب محض ایک ہفتہ کے مہمان ہیں، اور یہ وہ آخری جملے ہیں جو آپ کی مبارک زبان سے سنے جارہے ہیں۔

اللہ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کی قبر کو بقعۂ نور بنائے اور اُمتِ مسلمہ خاص طور پر مظاہر علوم کو آپ کا نعم البدل عطاء فرمائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں، (بقیہ صفحہ ۴۰ پر)

فقہ وفتاویٰ

قربانی سے متعلق چند احکام

ادارہ

ماہِ ذی الحجہ کے مخصوص ایام میں جانوروں کو ذبح کرنا (جسکو قربانی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے) ایک عظیم الشان عبادت اور عند اللہ محبوب ترین عمل ہے، جو قرب الٰہی کا ذریعہ اور مولائے مہربان کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کا جذبہ سیکھنے کا وسیلہ ہے، اسی لئے دیگر تمام عبادات کی طرح اس عبادت کو انجام دینے کے بھی شریعت میں احکامات وہدایات موجود ہیں، جس کو پیشِ نظر رکھ کر ہی اس عمل کو انجام دینا چاہئے۔

قربانی کا وجوب:

قربانی ہر صاحبِ استطاعت شخص پر واجب ہے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص صاحب استطاعت ہو اور وہ پھر بھی قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ میں نہ آئے (ابن ماجہ) اس لئے ہر وہ مسلمان مرد وعورت مقیم جو قربانی کے دنوں میں نصاب کے بقدر (یعنی ۸۷ گرام ۸۴۰ ملی گرام سونا یا ۶۱ تولہ ۲ گرام ۳۶۰ ملی گرام چاندی) کا مالک ہو یا اس کی قیمت ہو اور دیگر مال جو حوائج اصلیہ (گھر، سامان، زمین وغیرہ) سے زائد ہو تو اس پر قربانی واجب ہے۔ (ھدایہ: ۴۴۳)

قربانی کے جانور اور ان کی عمریں:

چار طرح کے جانور ہیں جن کی قربانی کی جاسکتی ہے۔ (۱) اونٹ اور اونٹنی: جو پانچ سال کے ہوں اور چھٹا سال شروع ہو گیا ہو، البتہ اونٹ کے مقابلہ اونٹنی کی قربانی زیادہ بہتر ہے۔ (۲) بیل اور گائے: جو دو سال کے ہوں اور تیسرے سال میں قدم رکھ چکے ہوں، گائے کی قربانی بیل کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے، بھینس (نر و مادہ) بھی گائے بیل کے حکم میں ہے، (۳) بکری اور بکرا: اس کی عمر ایک سال ہونی چاہیئے، مینڈھا اور دنبہ بھی اسی کے حکم میں ہے، البتہ دنبہ چھ ماہ کا ہو اور سال بھر کا محسوس ہوتا ہو تو کافی ہے۔ (۴) بھیڑ (نر و مادہ) اس کی عمر بھی ایک سال کی ہونی چاہئے، البتہ چھ ماہ کا جانور ایک سال کا محسوس ہوتا ہو تو اس کی قربانی کی جاسکتی ہے، بکرے اور بھیڑ میں نر کی قربانی احناف کے نزدیک بہتر ہے۔ (قاموس الفقہ: ۱/ ۳۵۴)

وہ عیوب جو قربانی میں مانع ہیں:

قربانی کے جانور کو شدید قسم کے عیب اور خامی سے پاک ہونا چاہئے، چنانچہ درجِ ذیل جانوروں کی قربانی درست نہیں۔

سینگ جڑ سے ٹوٹ گئی ہو، اندھا ہو، ایک آنکھ والا ہو، پاؤں میں اتنا لنگ ہو کہ مذبح تک جانا دشوار ہوجائے، بہت بیمار ہو، کان کٹے ہوں، سرین کٹی ہوئی ہو، دم کٹا ہو، پیدائشی طور پر کان نہ ہو، ایک ہی کان ہو دوسرا کان پیدائشی طور پر نہ ہو یا کٹ گیا ہو، کوئی بھی عضو ایک تہائی سے زیادہ کٹ گیا ہو، ناک بریدہ ہو، جس کا تھن کٹا ہوا ہو، جو اپنے بچہ کو دودھ نہ پلاسکتی ہو، زبان اس قدر کٹی ہوئی ہو کہ چارہ نہ کھا سکتا ہو، جانوروں کو جنون اس درجہ ہو کہ چرنا اور چارہ کھانا دشوار ہوجائے، اونٹ جو غلاظت کھانے کا عادی ہوجائے، اتنا کمزور جانور کہ ہڈی میں گودا نہ ہو، چار پاؤں میں سے کوئی ایک کٹا ہوا ہو، وہ بکری جس کے ایک تھن کا اور وہ اونٹنی اور گائے جس کے دو تھن کا دودھ خشک ہوگیا ہو۔ (فتاویٰ عالمگیری: بحوالہ ایضاً)

مردوں کی طرف سے قربانی:

قربانی مردوں کی طرف سے بھی کر سکتے ہیں، مگر ایک بکرا یا بڑے جانور میں سے ایک حصہ کئی مردوں کی طرف سے جائز نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری امت کو قربانی میں شامل فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری امت کی طرف سے نہیں کی تھی، بلکہ قربانی اپنی طرف سے کی تھی اور اس کا ثواب ساری امت کو بخش دیا تھا، جس طرح ہم نفلی قربانی اپنی طرف سے کر کے اس کا ثواب کئی مردوں اور زندوں کو بخش دیتے ہیں اور یہ درست ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ۱۰/۴۰)

صحت قربانی کے لئے مضحّی واضحیہ دونوں کا ایام نحر میں ہونا ضروری ہے:

قربانی کے درست ہونے کے لئے مضحی (قربانی کرانے والے) اور اضحیہ (قربانی کے جانور) دونوں کے مقام پر ایام نحر کا موجود ہونا ضروری ہے، مثلاً امریکہ میں رہنے والے کسی شخص مسلم کی طرف سے ہندوستان یا کسی بھی دوسرے ملک میں قربانی اسی وقت صحیح ہوگی جب امریکہ میں رہنے والے کے حق میں سببِ وجوب قربانی (ایام نحر) پایا جائے اور مکان اضحیہ میں بھی ایام نحر پایا جائے، حاصل یہ کہ جس طرح مکان اضحیہ میں ایام نحر کا موجود ہونا ضروری ہے، اسی طرح مکانِ مضحی میں بھی ایام نحر کا موجود ہونا ضروری ہے۔

(چند اہم عصری مسائل: ۲۲۳)

قربانی کی قضاء:

اگر وقت پر قربانی نہ کی جاسکی ہو اور جانور پہلے سے موجود ہو تو وقت گذرنے کے بعد اسی جانور کو زندہ صدقہ کردینا ضروری ہے، اور اگر جانور موجود نہ ہو تو پورے جانور کی قیمت کا صدقہ لازم ہے، اگر کسی شخص پر قربانی واجب تھی، لیکن اس نے ایام قربانی میں نہ تو قربانی کی اور نہ جانور خریدا تو بعد میں اس پر ایک بکرے کی قیمت کا غریبوں پر صدقہ کرنا واجب ہے۔ (کتاب المسائل: ۲/ ۳۰۹)

جانور کا ذبح کب متحقق ہوگا:

جانور کے گلے میں چار شہ رگیں ہوتی ہیں۔ (۱) حلقوم: جس سے سانس لیا جاتا ہے، (۲) مری: جس سے کھانا پانی اندر جاتا ہے، (۳/ ۴) خون کے دوران والی دو رگیں، ان چار رگوں میں سے اگر تین رگیں کٹ جائیں تو جانور حلال ہوجاتا ہے۔ (۲/ ۳۲۵)

قصاب کی اجرت جانور میں سے دینا:

جانور ذبح کرنے اور گوشت بنانے والے قصاب کی اجرت قربانی کی کھال یا گوشت وغیرہ کے ذریعہ ادا کرنا درست نہیں ہے، بلکہ اجرت الگ سے دی جائے۔ (ایضاً ۶/ ۳۳۴)

کپورے کھانا

حال جانور کے کپورے کھانا مکروہِ تحریمی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/ ۳۰۰)

سب گھر والوں کی طرف سے ایک بکرے کی قربانی

گھر میں جتنے افراد رہتے ہیں وہ سب نصابِ قربانی کے مالک ہیں تو سب کی طرف سے قربانی ضروری ہے اور اگر وہ نصابِ قربانی کے مالک نہیں ہیں یعنی ان پر قربانی واجب نہیں ہے تو قربانی کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہے، اور یہ سمجھنا کہ ایک بکرا قربانی کردینے سے تمام اہل خانہ کا واجب ادا ہوجائے گا صحیح نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/ ۳۱۲)